مشترکہ عوامی ملکیت کے پاکستانی قوانین: اسلامی تناظر میں تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of Pakistani laws of Joint Public Property in the Islamic Context

ایم فل علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

وقاص احمد خان

رجسٹریشن نمبر: 54-MPhil/IS/F-23

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اکتوبر 2025

مشترکہ عوامی ملکیت کے پاکستانی قوانین: اسلامی تناظر میں تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of Pakistani laws of Joint Public Property in the Islamic Context

(مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

وقاص احمد خان

ایم فل علوم اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر: 54-MPhil/IS/F-23

نگران مقالہ

ڈاکٹر نور ولی شاہ

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت نمل، اسلام آباد

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن: 2023-2025

©وقاص احمد خان

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ کو پڑھا اور دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کار گردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالہ کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **<u>مشترکہ عوامی ملکیت کے پاکستانی قوانین: اسلامی تناظر میں تجزیاتی مطالعہ</u>**

<u>An Analytical Study of Pakistani laws of Joint Public Property in the Islamic Context</u>

نام ڈگری: <u>ایم فل علومِ اسلامیہ</u>

نام مقالہ نگار: <u>وقاص احمد خان</u>

رجسٹریشن نمبر: 54-MPhil/IS/F-23

ڈاکٹر نور ولی شاہ

(نگرانِ مقالہ) ____________________ دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر ریاض احمد سعید

(صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) ____________________ دستخط صدر شعبہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض شاد

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ____________________ دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

تاریخ: ____________________

حلف نامہ

(Declaration Form)

میں: وقاص احمد خان، رول نمبر: MP-F23-353 طالبِ علم، ایم فل، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد، حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ

مقالہ بعنوان: **مشترکہ عوامی ملکیت کے پاکستانی قوانین: اسلامی تناظر میں تجزیاتی مطالعہ**

An Analytical Study of Pakistani laws of Joint Public Property in the Islamic Context

ایم فل کی ڈگری کی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا اور ڈاکٹر نور ولی شاہ کی زیرِ نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کا اصل کام ہے اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے اور نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی ڈگری کے حصول کے لیے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارہ کو میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔ میں اس بات کو جانتا ہوں کہ ایچ ای سی (HEC) اور نمل (NUML) علمی سرقہ (Plagiarism) کے حوالے سے عدم برداشت کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہیں۔ اس لیے بطور مقالہ نگار اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی علمی کام ہے۔ اس مقالہ کا کوئی حصہ بھی سرقہ شدہ نہیں ہے۔ میں نے جہاں سے بھی کسی علمی کام کو اپنے مقالہ میں شامل کیا ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ میں باقاعدہ اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے مقالہ میں کسی بھی قسم کا باقاعدہ علمی سرقہ پایا جائے تو یونیورسٹی میری ڈگری کو ختم کرنے \ واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔

نام مقالہ نگار: وقاص احمد خان

دستخط مقالہ نگار: ____________________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد

An Analytical Study of Pakistani laws of Joint Public Property in the Islamic Context

Abstract:

Allah Almighty created the earth and everything in it for the needs and benefit of humankind. The real owner is Allah, however, Shariah has granted humans the right of temporary ownership, but this right can only be acquired through the means prescribed by Shariah, such as possession, contracts, inheritance, and production. Without these means, establishing ownership over anything is not permissible. However, there are certain things that fall under the category of *publicly permitted resources* (mubahat ‘ammah) in which all people are equal partners, such as water, fire, pastures, and pathways. In Islamic legal terminology, this concept is called *Shirkat al-Ibahah*, while in common language it is referred to as *public common ownership*.

This dissertation analyzes the fundamental issues regarding what Shirkat al-Ibahah (public common ownership) is, which items fall under it, and what principles and rulings have been mentioned in the Quran and Hadith regarding them. The research also examines examples from the early Islamic society as well as modern forms, such as parks, canals, tube well water, forests, and other public utilities. Furthermore, the study reviews the official laws formulated in Pakistan regarding these modern forms, in order to determine the extent to which these laws conform to Islamic principles and where reform is needed. Since the concept of public common ownership is directly established from the Qur’an and Sunnah, there was a lack of juristic guidance concerning new situations arising in the modern era. To fill this gap, this research has utilized the primary sources of Shariah and authentic juristic texts to conduct a scholarly analysis of these new forms, so that their Shariah rulings can be determined in accordance with contemporary requirements.

Keywords: Partnership,public property, Shirkat al-Ibahah, Modern forms of public common ownership, Pakistani laws, Publicly permitted resources.

ملخص:

اللہ تعالیٰ نے زمین اور اس میں موجود تمام اشیاء کو بنی نوع انسان کی ضرورت اور فائدے کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اصل مالک اللہ ہے، البتہ شریعت نے انسان کو مجازی ملکیت کا حق دیا ہے، لیکن یہ حق صرف ان اسباب کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے جو شریعت نے متعین کیے ہیں، جیسے احراز، عقود، وراثت اور تولید۔ ان اسباب کے بغیر کسی بھی چیز پر ملکیت قائم کرنا جائز نہیں ہے، البتہ کچھ اشیاء ایسی ہیں جو مباحاتِ عامہ کے زمرے میں آتی ہیں اور ان میں تمام انسان برابر کے شریک ہوتے ہیں، جیسے پانی، آگ، چراگاہیں اور راستے۔ فقہی اصطلاح میں اس تصور کو "شرکتِ اباحت " کہا جاتا ہے، جبکہ عام فہم زبان میں اسے مشترکہ عوامی ملکیت کہا جاتا ہے۔

یہ مقالہ ان بنیادی امور کا تجزیہ پیش کرتا ہے کہ شرکتِ اباحت، یعنی مشترکہ عوامی ملکیت کیا ہے؟ اس کے تحت کون سی اشیاء شامل ہیں؟ اور ان کے متعلق قرآن وحدیث میں کیا اصول اور احکام وارد ہوئے ہیں؟ اس تحقیق میں قدیم اسلامی معاشرے کی مثالوں کے ساتھ ساتھ جدید اور معاصر صورتوں پر بھی بحث کی گئی ہے، جیسے پارک، نہریں، ٹیوب ویل کا پانی، جنگلات اور دیگر عوامی سہولتیں۔ مزید ان جدید صورتوں کے متعلق پاکستان میں جو سرکاری قوانین تشکیل پائے ہے ان کا شرعی جائزہ لیا گیا ہے تاکہ یہ واضح کیا جاسکے کہ یہ قوانین اسلامی اصولوں کے کس حد تک مطابق ہیں اور کہاں اصلاح کی ضرورت ہے۔ چونکہ مشترکہ عوامی ملکیت کا تصور براہِ راست قرآن وسنت سے ثابت ہے، تاہم معاصر دور میں اس اصول سے متعلق پیدا ہونے والی نئی صورتوں کے بارے میں فقہی رہنمائی کا فقدان پایا تھا۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لیے اس تحقیق میں بنیادی مصادرِ شریعت اور معتبر فقہی متون سے استفادہ کرتے ہوئے ان جدید صورتوں کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے تاکہ معاصر تقاضوں کے مطابق ان کے شرعی احکام متعین کیے جاسکیں۔

کلیدی الفاظ: شرکت، شرکتِ اباحت، مشترکہ عوامی ملکیت ،مشترجہ عوامی ملکیت کی جدید صورتیں، پاکستانی قوانین، مباحات عامہ۔

فہرست عنوانات

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ i
حلف نامہ ii
Abstract: iii
ملخص: iv
اظہار تشکر ix
انتساب x
باب اول: موضوع تحقیق سے متعلق بنیادی مباحث 1
فصل اول: موضوع تحقیق کا تعارف، ضرورت واہمیت 1
فصل دوم: جوازِ تحقیق، سوالات، مقاصد و تحدید موضوع 1
فصل سوم: مشترکہ عوامی ملکیت کا فقہی تصور اور قرآن وحدیث سے ان کے ثبوت کے دلائل.......... 1
فصل اول: موضوع تحقیق کا تعارف، ضرورت واہمیت اور سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ............. 2
فصل اول: موضوع کا تعارف Introduction to the Topic..3
ضرورت واہمیت: ..(Significance of the Study).. 4
موضوع تحقیق سے متعلق سابقہ کام کا جائزہ: ...(Literature Review).. 4
شرکت:..5
مشترکہ عوامی ملکیت (شرکت اباحت): 7
پاکستانی قوانین:..8
تحقیقی خلاء: ..(Research Gap).. 10

فصل دوم: جوازِ تحقیق، سوالات، مقاصد و تحدید موضوع 11
فصل دوم: جواز تحقیق (Rationale of the study).. 12
مسئلہ تحقیق: (Problem Statement).. 12
مقاصد تحقیق: ....(Objective of Research).. 12
سوالات تحقیق: ....(Question of Research).. 12
منہج تحقیق: Research Methodology.. 13
تحدید اور دائرہ کار موضوع: (Delimitation of the Study) 14
ابواب و فصول کی تقسیم و ترتیب: (ThemeChapterization of Research)............................ 15
فصل سوم: مشترکہ عوامی ملکیت کا فقہی تصور اور قرآن و حدیث سے ان کے دلائل 16
مبحث اول: شرکت اور مشترکہ عوامی ملکیت کا تعارف اور اس کی اقسام.. 17
مبحث دوم: مشترکہ عوامی ملکیت کا تصور قرآن اور حدیث کی روشنی میں.. 37
باب دوم: مشترکہ عوامی ملکیت سے متعلق فقہی مباحث اور پاکستان میں اس کی معاصر صورتوں کا جائزہ....... 54
فصل اول: مشترکہ عوامی ملکیت کی قدیم صورتیں اور متعلقہ شرعی احکام... 54
فصل دوم: مشترکہ اشیاء سے متعلق تملیک کا ضابطہ اور پاکستان میں اس کی معاصر صورتیں.......................... 54
مبحث اول: مشترکہ اشیاء سے متعلق تملیک کا ضابطہ 54
مبحث دوم: پاکستان میں مشترکہ عوامی ملکیت کی جدید صورتیں 54
فصل اول: مشترکہ عوامی ملکیت کی قدیم صورتیں اور متعلقہ شرعی احکام 55
فصل دوم: مشترکہ اشیاء سے متعلق تملیک کا ضابطہ اور پاکستان میں اس کی معاصر صورتیں.......................... 84
مبحث اول: مشترکہ اشیاء سے متعلق تملیک کا ضابطہ 85

مبحث دوم: پاکستان میں مشترکہ عوامی ملکیت کی جدید صورتیں 93
باب سوم: مشترکہ عوامی ملکیت سے متعلق پاکستانی قوانین کا شرعی تجزیہ.. 108
فصل اول: ملکیت کے اعتبار سے موجود پاکستانی قوانین کا شرعی تجزیہ.. 108
فصل دوم: منفعت کے اعتبار سے موجود پاکستانی قوانین کا شرعی تجزیہ. 108
فصل اول: ملکیت کے اعتبار سے موجود پاکستانی قوانین کا شرعی تجزیہ.. 109
1۔ شکار کے متعلق قانون: 119
2۔ جنگلات کے متعلق قوانین: 123
3۔ ماہی گیری کے متعلق قانون: 127
4۔ پانی کے متعلق قوانین: 134
5۔ زمین سے حاصل ہونے والے معدنی وسائل کے متعلق قوانین: 140
6۔ شہد کی مکھیاں اور شہد کے متعلق قانون: 145
فصل دوم: منفعت کے اعتبار سے موجود پاکستانی قوانین کا شرعی تجزیہ.. 150
1۔ مساجد کے متعلق قانون: 151
2۔ سرکاری تعلیمی اداروں کے متعلق قوانین: 154
3۔ پارک اور پلے گراؤنڈ وغیرہ کے متعلق قوانین: 159
4۔ سرکاری ہسپتال کے حوالے سے قوانین: 162
5۔ بازار: 164
6۔ راستیں، روڈ وغیرہ کے متعلق قوانین: 166
نتائج 169

سفارشات 171

فہارس 172

فہرست آیات 173

فہرست احادیث 175

فہرست مصادر مراجع 176

اظہار تشکر

سب سے پہلے رب کریم کا شکر ادا کرتا ہوں۔ جس نے مجھ ناچیز بندہ کو تحقیق جیسے اہم کام کے لیے قلم اٹھانے کی توفیق بخشی اور بھرپور طریقے سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے صلاحیت عطا کی۔ اس کے بعد میں ڈاکٹر نور ولی شاہ صاحب کا بے حد ممنون ومشکور ہوں جنہوں نے انتخاب موضوع سے لے کر مقالے کی تکمیل تک اپنی تمام تر مصروفیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انتہائی شفقت سے سپر وائز کیا، اور اس تحقیقی کام کو میں نے انہی کی زیر نگرانی میں سرانجام دیا، تحقیق کے اصول انہی سے سیکھے۔ اس کے ساتھ میں ڈیپارٹمنٹ کے دیگر اساتذہ کرام کا بھی بے حد شکر گزار ہوں، جنہوں نے دوران تحقیق میری رہنمائی اور مدد کی۔

سب سے بڑھ کر میں اپنے والدین، اپنی اہلیہ اور اپنے بہن بھائیوں کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں، جن کی بے لوث دعاؤں، خلوص بھری نیک تمناؤں اور مسلسل حوصلہ افزائی کے باعث اللہ تعالیٰ نے مجھے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ان حضرات نے ہر مرحلے پر اخلاقی، ذہنی اور عملی تعاون فراہم کیا اور میری تعلیمی جدوجہد کو آسان بنایا۔

اسی طرح میں ان تمام لائبریریوں کے معزز عملے کا بھی ممنون ہوں، جنہوں نے دورانِ تحقیق بھرپور تعاون، رہنمائی اور سہولیات فراہم کر کے اس تحقیقی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔

مزید برآں، میں اپنے تمام دوستوں کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے اس تحقیقی سفر کے دوران قدم قدم پر مفید مشوروں، خلوصِ نیت اور بے لوث تعاون سے نوازا۔ بالخصوص میں اپنے عزیز دوست اسامہ حیات کا خصوصی طور پر شکر گزار ہوں، جن کی علمی معاونت، مخلصانہ رہنمائی اور حوصلہ افزائی میرے لیے نہایت قیمتی ثابت ہوئی۔

آخر میں، میں ہر اس فرد کے لیے دعا گو ہوں جس نے کسی بھی انداز میں اس تحقیقی کام کو آسان بنانے میں میری مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے تمام امور میں آسانیاں پیدا فرمائے۔ آمین۔

وقاص احمد خان

انتساب

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام کائنات کا خالق و مالک ہے۔

میں اپنی حقیر کاوش کو اپنے ماں باپ بالخصوص اپنے والد محترم کی طرف منسوب کرتا ہوں، جن کی رات دن کی محنت نے مجھے فکر معاش سے آزاد کیا اور ان کے سائبان نے تند و تیز ہواؤں، بارش اور گرمی کے گرم تھپیڑوں سے مجھے محفوظ رکھا۔

باب اول: موضوع تحقیق سے متعلق بنیادی مباحث

فصل اول: موضوع تحقیق کا تعارف، ضرورت واہمیت

فصل دوم: جوازِ تحقیق، سوالات، مقاصد و تحدیدِ موضوع

فصل سوم: مشترکہ عوامی ملکیت کا فقہی تصور اور قرآن وحدیث سے ان کے ثبوت کے دلائل

فصل اول: موضوع تحقیق کا تعارف، ضرورت واہمیت اور سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ

فصل اول: موضوع کا تعارف Introduction to the Topic

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اس لیے دیگر شعبہ ہائے حیات کی طرح اسلام نے اشیاء کے استعمال کے حوالے سے بھی انسانوں کی راہنمائی کی ہے۔ یہ دنیا اور اس میں موجود اشیاء اگرچہ انسانوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں، تاہم ان سے مستفید ہونے کے لیے شریعت نے کچھ اصول وضوابط بھی دیے ہیں، جن کی رعایت کئے بغیر انہیں استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ انہی اصولوں میں ایک اصول یہ ہے کہ بعض چیزیں ابتداءً اور اصلاً کسی ایک فرد کی ذاتی ملکیت نہیں ہے، بلکہ ہر انسان ایک خاص طریقے سے ان چیزوں کو اپنی ملکیت میں لا کر استعمال کر سکتا ہے، ایسی چیزیں "مباح عام" کہلاتی ہیں۔ فقہی اصطلاح میں "شرکت اباحت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، جبکہ عام زبان میں اسے مشترکہ عوامی ملکیت یا جوائنٹ پبلک پراپرٹی (Joint Public Property) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس میں ان اشیاء سے متعلق بحث کی جاتی ہے، جنہیں ہر کوئی استعمال میں لا سکتا ہے۔ ان میں عمومی طور پر قدرتی وسائل شامل ہوتے ہیں جیسے بارش کا پانی، ہوا، سمندر اور جنگلات۔

چنانچہ ان مشترک اشیاء کے استعمال اور ان سے استفادے کے لیے شریعت میں الگ سے قوانین مذکور ہیں۔ اس طرح فقہاء کرام نے ان مشترک اشیاء کی بحث کو "شرکت اباحت" کے باب میں ذکر کیا ہیں۔ جس طرح زمانہ قدیم میں مشترک عوامی ملکیت کی قسمیں رائج تھی، اسی طرح عصر حاضر میں بھی شرکت اباحت، یعنی مشترک عوامی ملکیت کی بہت ساری قسمیں رائج ہیں۔ اور ان سے متعلق سرکاری سطح پر مختلف قوانین تشکیل پائے ہیں۔ خود ہماری مملکت پاکستان میں مشترکہ عوامی ملکیت کے قبیل سے مختلف طرح کے قوانین موجود ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مشترکہ عوامی ملکیت کی ان معاصر صورتوں اور ان سے متعلق پاکستانی قوانین کا شریعت اسلامیہ کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور اس بات کو مدنظر رکھا جائے کہ اگر کہیں پر شرعی بنیادوں پر کوئی سقم پایا جائے تو اس کی تحقیق کی جائے اور اسے دور کیا جائے۔

ضرورت واہمیت: (Significance of the Study)

مالی معاملات خصوصاً شرکت کے احکامات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا،اس لیے قدیم اور جدید اہل علم حضرات نے اس بارے میں تفصیل سے لکھا ہے، جس میں شرکت،اس کا تعارف اور اس کی تمام اقسام شامل ہیں۔ شرکت کے باب میں فقہاء نے ایک ایسی قسم کی طرف اشارہ بھی کیا ہے، جس کی ضرورت اور اہمیت کسی لحاظ سے بھی کم نہیں ہے،تاہم اہل علم حضرات کی طرف سے اس پر خاصہ کام نہیں ہوا ہے۔ اسے "شرکت اباحت" یعنی مشترکہ عوامی ملکیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ عصر حاضر میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص اس کی کئی معاصر صورتیں وجود میں آئی ہیں۔ شرکت اباحت پر قدیم کتب فقہ میں اختصار کے ساتھ بحث موجود ہیں،تاہم اس کے اصول وضوابط پر الگ سے مفصل تحقیق کی ضرورت ہے، خصوصاً عصر حاضر میں اس کی نت نئ صورتیں وجود میں آرہی ہیں۔ اس لیے قدیم فقہی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ان جدید صورتوں کا شرعی جائزہ لیناوقت کی ضرورت ہے۔ پھر ان جدید صورتوں سے متعلق ملکی سطح پر مختلف قوانین تشکیل پائے ہیں، جن کا شرعی محاکمہ ضروری ہے تاکہ یہ معلوم کیا جاسکیں کہ ان قوانین کے بارے میں قرآن وحدیث کے احکامات کیا ہیں۔

موضوع تحقیق سے متعلق سابقہ کام کا جائزہ: (Literature Review)

اسلامی فقہ میں شرکت ایک اہم مالیاتی تصور ہے جس کی متعدد اقسام ہیں، مثلاً شرکتِ عَقد، شرکتِ ملک اور شرکتِ اباحت وغیرہ۔ ان میں سے پہلی دو اقسام یعنی شرکتِ عقد اور شرکتِ ملک پر فقہاء اور معاصر اہلِ علم نے تفصیلی بحث کی ہے اور ان پر متعدد تحقیقی کام سامنے آچکے ہیں، تاہم شرکتِ اباحت، یعنی مشترکہ عوامی ملکیت جو مشترکہ وسائل سے استفادہ کے اصول سے متعلق ہے، اس پر تحقیقی اعتبار سے خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ اب تک کی بیشتر تحقیقات یا تو شرکت کی عمومی تعریف اور اصولوں تک محدود رہی ہیں یا ان میں صرف بعض فقہی جزئیات پر روشنی ڈالی گئی ہے، جبکہ مشترکہ عوامی ملکیت کی بنیاد، اس کی شرعی اہمیت، اس کے تحت آنے والے وسائل، اور جدید دور میں اس کی عملی صورتوں پر ایک جامع مطالعہ نہیں کیا گیا۔ تاہم اس کے باوجود شرکت اور مشترکہ عوامی ملکیت کے متعلق تحقیقی کام کے حوالے سے ذیلاً تذکرہ کیا جاتا ہے۔

شرکت:

1. عہد حاضر میں شرکت کا تصور اور اسلامی احکام کا تقابلی مطالعہ، مقالہ نگار: امام الدین، کراچی یونیورسٹی 2007ء

یہ مقالہ پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، جس میں مصنف نے شرکت کی تعریف اور اس کی قدیم اور جدید صورتوں کا تذکرہ کیا ہیں، لیکن اس مقالے میں شرکت اباحت کے متعلق کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے۔

2. شرکت ملک اور جدید معیشت میں اس کی تطبیق کی صورتیں، مقالہ نگار: عبدالحنان، کراچی یونیورسٹی 2012

یہ بھی پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، اس مقالے میں تحقیق کار نے شرکت ملک کا تعارف اور اس کی صورتوں کا جدید معیشت پر تطبیق کی ہے، لیکن اس مقالے میں ہمارے موضوع کے متعلق کوئی بحث موجود نہیں ہے۔

3. احکام شرکت: امام سرخسیؒ کے منہج کا تحقیقی مطالعہ، مقالہ نگار: عبد القدوس حافظ، بہاوں الدین ذکریہ یونیورسٹی ملتان، 2018

یہ ایم فل کا مقالہ ہے، جس میں شرکت کے احکام کے متعلق بحث کی گئی ہیں، اور اس بحث کو امام سرخسی کے منہج پر کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں شرکت کے مختلف پہلوں پر گفتگو کی گئی ہے، لیکن اس مقالے میں شرکت اباحت کے متعلق اور اس کی جدید صورتوں کے متعلق اور خاص طور پر اس کے متعلق پاکستان کے قوانین ہے اس پر گفتگو نہیں کی گئی ہے جو ہمارا موضوع ہیں۔

4. "نفع اور نقصان میں شرکت کا معاملہ اور اس کی شرعی حیثیت" کے نام سے "محمد طاسین صاحب" نے لکھا ہے۔ یہ آرٹیکل "فکر و نظر" سے 1981 میں شائع ہوا ہے، جس میں شرکت کے معاملہ اور اس میں نفع اور نقصان کے حوالے سے بات کی ہے، لیکن اس آرٹیکل میں میرے موضوع کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی گئی ہے۔

5. "شرکت اور مضاربت کے چند ملکی قوانین اور سودی معیشت کا فروغ" اس آرٹیکل کی تصنیف "ڈاکٹر شہزاد اقبال" نے کی ہے۔ یہ آرٹیکل "فکر و نظر" سے 2010 میں شائع ہوا ہے، جس میں شرکت اور مضاربت کے متعلق جو ملکی قوانین بنے ہوئے ہیں ان کا تذکرہ کیا گیا ہے، لیکن اس آرٹیکل میں میرے موضوع کے متعلق کوئی بحث موجود نہیں ہیں۔

6. "اسلامی بینکاری میں شرکت اور مضاربت کی مروجہ اشکال کا جائزہ" کے نام سے "سلمان احمد خان" اور "غلوم نبی علوی" نے لکھا ہیں۔ یہ آرٹیکل "جہات الاسلامی" سے 2019 سے شائع ہوا ہے۔ اس آرٹیکل میں شرکت اور مضاربت کی ان صورتوں کے ساتھ گفتگو کی ہیں جو اسلامک بینکاری میں رائج ہیں۔ اس آرٹیکل میں شرکت اباحت کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی گئی ہے۔

7. "اسلامی بینکاری میں شرکت کا تصور" اس آرٹیکل کو "محمد ابو بکر سعید" نے لکھا ہے۔ یہ آرٹیکل "معارف مجلۃ تحقیق" سے 2017 کو شائع ہوا ہے۔ اس آرٹیکل میں شرکت کے ان اقسام سے بحث کیا گیا ہے جو اسلامی بینکاری میں رائج ہے، یعنی اس آرٹیکل میں شرکت اباحت کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی گئی اور نہ ہے اس کے قدیم اور جدید صورتوں کے متعلق گفتگو کی گئی ہیں۔

8. **فقہ المعاملات المالیۃ المعاصرۃ، مصنف: سعد بن ترکی الخثلان، ناشر: دار الصمیعی للنشر والتوزیع، 2012**

یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی ہے اور عصر حاضر کے جدید معاملات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے جدید معاملات جیسے، بیع التقسیط، التامین، التورق المنظم، بطاقات، وغیرہ پر گفتگو کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مصنف نے اس میں شرکت عنان اور آج کل جو شرِ کات، یعنی کمپنیاں ہیں اس کے متعلق گفتگو کی ہے کہ کونسی کمپنی میں شرکت کرنا درست ہے اور کونسی میں نہیں ہے۔ اس کتاب میں ہمارے موضوع تحقیق کے متعلق کوئی بحث موجود نہیں ہے۔

9. **فقہ المعاملات، مصنفین: مصباح متولی السید حماد، عمر التیواجنی، زاہد بن سلیمان، یوسف بن ابراہیم، ناشر: وزارۃ الاوقاف الشؤون الدینیہ، 2007**

یہ کتاب ۳۱۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس صرف اور صرف مالی معاملات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کو زیر بحث لائے ہے۔ اس طرح اس کتاب کو ابواب اور فصول کی طرح وحدات میں تقسیم کیا گیا ہے، جسم میں الوحدۃ السا سۃ شرکت اور اس کے اقسام کے بیان میں ہے، لیکن اس کتاب میں شرکت اباحت کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی گئی ہے۔

10. **آسان فقہ المعاملات، مصنف: مفتی محمد حسین خلیل، طبع اول، 2019، ناشر: الحجاز، کراچی**

یہ کتاب دو جلدوں اور اٹھارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں شرکت کی تمام جدید صورتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، لیکن اس میں

شرکت اباحت کے حوالے سے کوئی تفصیل مذکورہ نہیں ہے۔

11. شرکت اور مضاربت عصر حاضر میں، مصنف: مولانا محمد عمران اشرف عثمانی، طبع جدید، 2009، ناشر: مکتبہ معارف القرآن کراچی

یہ اصل میں "مولانا محمد عمران اشرف عثمانی" کا "پی ایچ ڈی" مقالہ ہے، لیکن بعد میں اس کو کتاب کی شکل میں پبلش کرادیا گیا تاکہ قارئین اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں۔ اس کتاب میں مصنف نے شرکت کا تعارف، اس کے ثبوت کے حوالے سے قرآن اور حدیث سے دلائل اور شرکت کی تمام اقسام اور عصر حاضر کی معاشیات میں شرکت کا تصور، ان تمام ابحاث کو مد نظر رکھتے ہوئے انتہائی مدلل گفتگو کی گئی ہے، لیکن شرکت اباحت کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے۔

مشترکہ عوامی ملکیت (شرکت اباحت):

1. شرکت کا تعارف اور اس کی جو جدید صورتوں کے حوالے سے تو بہت سارے ریسرچ آرٹیکل وغیرہ لکھیں گئے ہیں، لیکن شرکت اباحت کے حوالے سے میرے علم کے مطابق "شرکۃ الاباحۃ و تطبیقاتہا المعاصرہ" کے نام سے ایک ہی آرٹیکل موجود ہے، جس کی تصنیف "مفتی شاد محمد شاد صاحب" نے کی ہے۔ یہ آرٹیکل "پیوٹاج اور ینٹل" سے 2018 میں شائع ہوا ہے۔ اس آرٹیکل میں شرکت اباحت کی تعریف اور اقسام، فقہاء کی آراء اور کچھ جدید صورتوں کا مختصراً تعارف کیا گیا ہے لیکن ان صورتوں کا تفصیلاً ذکر اس آرٹیکل میں مفقود ہے۔

2. **شرکات العقد فی الشرع الاسلامی، مصنف: صالح بن زابن المرزوقی البقمی، ناشر: مکتبۃ الرشد–الریاض، 1444ھ**

یہ کتاب عربی زبان میں 218 صفحات پر تصنیف کی گئی ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو تین ابواب اور اس کے تحت فصول اور مباحث پر مشتمل کیا ہے۔ اس کتاب میں صرف شرکت کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں شرکت کی باقی قسموں کو تفصیلاً بیان کیا ہے، لیکن شرکت اباحت کی تعریف کے ساتھ ایک دو سطر میں اس کی کچھ وضاحت کی ہے۔ اس کے ساتھ عصر حاضر میں جو صورتیں رائج ہے اور اس کے متعلق جو پاکستان کے قوانین ہے یہ امور اس کتاب میں مفقود ہیں۔

3. **مالی معاملات، مصنف: مفتی شاد محمد شاد، اشاعت اول: اکتوبر2022، ناشر: الحسان اکیڈمی**

یہ کتاب دو جلدوں اور چار ابواب پر مشتمل ہے۔اس کتاب میں عصر حاضر کے اکثر معاملات کو انتہائی سہل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں شرکت کی تمام اقسام کے ساتھ ساتھ شرکت اباحت کی تعریف پر اکتفاء کیا گیا ہے، باقی تفصیل اس کتاب میں مفقود ہے۔

4. **فقہ البیوع، مصنف: شیخ مفتی تقی عثمانی، مکتبۃ معارف القرآن کراچی، جنوری ۲۰۱۵**

یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے، جس میں ائمہ اربعہ کی عبارات نقل کر کے ایک ایک مسئلہ کی تشریح کی گئی ہے۔اس کے بعد عصر حاضر کے جدید مسائل کا تجزیہ کیا گیا ہے اور جو مناسب اور راجح رائے ہو، اس کو ترجیح دی گئی ہے۔اس کتاب کی پہلی جلد میں مشترکہ اشیاء کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے، تاہم یہ بہت اختصار کے ساتھ ہے جس میں بہت سارے اہم مباحث مفقود ہیں۔

پاکستانی قوانین:

1 **مجلۃ "الاحکام العدلیہ" اور پاکستانی قوانین: تقابلی و تطبیقی جائزہ، مقالہ نگار: ضیاءالرحمن، عبدالولی خان یونیورسٹی مردان، 2019**

یہ پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، جس میں مصنف نے پاکستانی قوانین اور مجلہ الاحکام میں جو قوانین، جیسے وکیل یا ایجنٹ وغیرہ کے حوالے سے اس مقالے میں گفتگو کی ہے، لیکن اس مقالے میں ہمارے موضوع مشترکہ عوامی ملکیت کے حوالے سے جو پاکستانی قوانین ہے اس کے متعلق گفتگو مفقود ہے۔

2 **اراضی اور بعض مالیاتی امور سے متعلق پاکستانی قوانین کو اسلامیانے میں اعلیٰ عدالتوں کا کردار: تحقیقی جائزہ، مقالہ نگار: محبوب عالم، بہاؤالدین یونیورسٹی ملتان، 2023**

یہ مقالہ بھی پی، ایچ، ڈی سطح کا مقالہ ہے۔اس مقالے میں پاکستان میں جدید مالیاتی نظام، سود وغیرہ کے متعلق جو پاکستان کے قوانین ہے ان کے متعلق بحث و مباحثہ کیا گیا ہے، لیکن اس میں جو قوانین ہمارے موضوع کے متعلق ہے ان کے حوالے سے کوئی بحث نہیں کی گئی ہے۔

3 **فتاوی عالمگیری میں رہن، صید، شرب اور احیاء موات سے متعلق قوانین کی دفعہ بندی اور پاکستانی قوانین کے ساتھ، مقالہ نگار: عبدالرشید، عبدالولی خان یونیورسٹی مردان، 2020**

یہ بھی ایک پی،ایچ،ڈی مقالہ ہے۔اس مقالے میں چار امور جیسے رہن، صید اور شرب کے متعلق جو بحث فتاوی عالمگیریہ میں کی گئی ہے اور اس کے متعلق جو پاکستان کے قوانین ہیں ان سے بحث کی گئی ہے۔اس مقالے میں صید سے متعلق جو پاکستان کے قوانین ہیں،ان میں سے صرف صوبہ پختونخواہ کا جو قانون ہے (دی خیبر پختون خواہ وائلڈ لائف ایکٹ 2015)اس حوالے سے کام کیا گیا ہے۔اسی طرح اس کے ساتھ ساتھ باقی تین امور پر بھی کام کیا گیا ہے۔لیکن اس مقالے میں ان پاکستانی قوانین کے متعلق کام نہیں کیا گیا ہے جو میرے تحقیقی موضوع کے متعلق زیر بحث ہے۔

4 **فتاویٰ عالمگیری کے حصہ بیوع کی دفعہ بندی اور پاکستان کے وضعی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ، مقالہ نگار: مسعودالرحمن، عبدالولی خان یونیورسٹی مردان،2023**

یہ مقالہ بھی پی،ایچ،ڈی سطح کا ہے۔اس مقالے میں فتاوی عالمگیریہ جس کو فتاوی ہندیہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اس کے حصے بیوع میں جو معاملات ہے ان کو اور اس کے متعلق جو پاکستانی قوانین ہے ان کا آپس میں تقابلی جائزہ کیا گیا ہے، لیکن اس مقالے

ہماری تحقیق موضوع کے متعلق جو پاکستانی قوانین ہیں اس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی گئی ہے۔

5 **قانون وقف اسلام اور پاکستانی قوانین کے تناظر میں، مقالہ نگار: محمد حسین قریشی، منہاج یونیورسٹی لاہور،2010**

یہ ایک یم،اے سطح کا مقالہ ہے۔ جس میں مقالہ نگار نے اپنے مقالے میں اسلام کے قانون وقف کو پاکستان کے قوانین کے تناظر میں زیر بحث لایا ہے۔ اس مقالے میں پاکستان کے ان قوانین کو زیر بحث لایا گیا ہے جو وقف کے متعلق ہے۔لہذا اس مقالے میں ان قوانین کے متعلق بحث نہیں کی گئی ہے جو میرے مقالے کا محور ہے۔

6 زرعی اراضی کے متعلق پاکستانی قوانین کا فقہ اسلامی کے تناظر میں تقابلی مطالعہ، مقالہ نگار: سجاد سواتی، عبدالولی خان یونیورسٹی مردان، 2021

یہ مقالہ پی، ایچ، ڈی کا مقالہ ہے۔ جس میں تحقیق کارنے پاکستان کے ان قوانین کے متعلق تحقیق کی ہے جس کا تعلق پاکستان کے زرعی زمینوں کے ساتھ ہے۔ لہذا اس مقالے میں وہ پاکستانی قوانین مفقود ہے جو ہمارے موضوع تحقیق کے متعلق ہے۔

تحقیقی خلاء: (Research Gap)

شرکت اور اس کی تمام اقسام جیسے شرکت عقد، شرکت ملک وغیرہ پر فقہ کی قدیم اور جدید کتابوں میں بہت کام ہوا ہے، لیکن مشترکہ عوامی ملکیت (شرکت اباحت) کے حوالے سے میری معلومات کے مطابق اس طرح کا تحقیقی کام نہیں ہوا۔ مشترکہ مباح اشیاء کونسی ہیں اور ان اشیاء کو ملکیت میں لانے کے اصول اور ان کی خرید وفروخت کے احکام کو جاننا اور سمجھنا بہت اہم ہے۔ مشترکہ عوامی ملکیت کی جدید اور معاصر صورتیں کون کونسی ہو سکتی ہیں، ان کی تعیین کی ضرورت ہے۔ اس طرح پاکستان کے مشترکہ عوامی ملکیت کے متعلق قوانین کا جاننا اور ان کا تجزیہ کرنا بھی ضروری ہے۔ اس موضوع پر اس طرح تفصیل سے میری معلومات کے مطابق ایم فل، پی ایچ ڈی کی سطح پر براہ راست کام نہیں ہوا، اس لئے اس موضوع پر کام کی ضرورت ہے۔

فصل دوم: جوازِ تحقیق، سوالات، مقاصد و تحدیدِ موضوع

فصل دوم: جواز تحقیق (Rationale of the study)

مشترکہ مباح اشیاء کونسی ہیں اور ان اشیاء کو ملکیت میں لانے کے اصول اور ان کی خرید و فروخت کے احکام کو جاننا اور سمجھنا لازم ہے۔ان اشیاء کی جدید اور معاصر صورتیں کون کونسی ہو سکتی ہیں،ان کی تعیین کی ضرورت ہے۔اس طرح پاکستان کے مشترکہ مباح اشیاء کے متعلق قوانین کا جاننا اور ان کا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔اس موضوع پر میری معلومات کے مطابق ایم فل، پی ایچ ڈی کی سطح پر براہ راست کام نہیں ہوا ہے،اس لئے اس موضوع پر کام کی ضرورت ہے۔

مسئلہ تحقیق: (Problem Statement)

یعنی مشترک عوامی ملکیت (شرکت اباحت) اور اس کی قدیم صورتوں کے متعلق ہمارے فقہاء کرام نے قدیم فقہی کتابوں میں تفصیلاً بحث کی ہیں، لیکن عصر حاضر میں اس کی بہت سارے جدید اور معاصر صورتیں بھی رائج ہیں،اس مقالے میں ان صورتوں کی تحقیق اور ان کا شرعی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔اس طرح مشترکہ عوامی ملکیت کے متعلق جو پاکستان کے قوانین سرکاری طور پر تشکیل پائے ہیں،اس مقالے میں ان کا بھی شرعی جائزہ پیش کیا گیا ہے ،تاکہ اس امر کی تحقیق ہو سکے کہ مشترکہ عوامی ملکیت کے متعلق پاکستان کے قوانین کس حد تک "مشترکہ عوامی ملکیت" کے شرعی اصولوں سے ہم آہنگ ہیں اور کن پہلوؤں میں شرعی تضاد اور عملی خامی پائی جاتی ہے جو قابلِ اصلاح ہو،تاکہ ایک متوازن اور مناسب قانونی ڈھانچہ یا خاکہ تشکیل دیا جا سکے۔

مقاصد تحقیق: (Objective of Research)

- مشترکہ عوامی ملکیت (شرکت اباحت) کا فقہی تصور اور اس کی قدیم صورتوں کے شرعی احکام کو تلاش کرنا۔
- مشترکہ عوامی ملکیت کی معاصر صورتوں کی وضاحت اور ان کو ملکیت میں لانے سے متعلق شرعی اصولوں کا جائزہ لینا۔
- پاکستان میں رائج مشترکہ عوامی ملکیت سے متعلق قوانین کی نشاندہی اور اسلامی تناظر میں تجزیہ پیش کرنا۔

سوالات تحقیق: (Question of Research)

- فقہ اسلامی میں مشترکہ عوامی ملکیت (شرکتِ اباحت) کا فقہی تصور کیا ہے؟اور اس کی قدیم صورتوں کے متعلق شریعت کے کیا احکامات ہیں؟

- مشترکہ عوامی ملکیت کی معاصر صورتیں کون کونسی ہیں، اور اسلامی شریعت میں ان کے مالک بننے کے کیا اصول و ضوابط مقرر کیے گئے ہیں؟
- پاکستان میں مشترکہ عوامی ملکیت سے متعلق کونسے قوانین رائج ہیں اور ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

منہج تحقیق: Research Methodology

- اس مقالے میں معیاری یعنی (Qualitative) منہج اپنایا گیا ہے اور موضوع کا تجزیہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں کیا گیا ہے۔
- موضوع سے متعلق شرعی رہنمائی کے لیے بنیادی مصادر "primary sources" جیسے قرآن مجید اور امہات الکتب، جیسے صحاح ستہ میں سے الجامع البخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداود، وغیرہ اور فقہ کی معروف کتب، جیسے فتح القدیر، الہدایۃ، ردالمحتار علی الدر المختار، بدائع الصنائع استفادہ کیا گیا ہیں۔
- مشترکہ عوامی ملکیت کا تعارف، اس کی معاصر صورتیں اور ان اشیاء کی ملکیت اور ان کی خرید و فروخت کے احکام کو جاننے کے لیے اس حوالے سے لکھی گئی کتب سے رہنمائی لی گئی ہیں۔
- مشترکہ عوامی ملکیت سے متعلق پاکستانی قوانین کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔
- اصطلاحات کی لغوی وضاحت کے لیے مستند لغوی مصادر، مثلاً لغات القرآن، لسان العرب، معجم المقاییس اللغۃ سے استفادہ کیا جاچکا ہے، جبکہ اصطلاحی مفاہیم کی تعیین کے لیے دیگر متعلقہ کتبِ کو بنیاد بنایا گیا ہیں۔
- دورانِ تحقیق برقی ذرائع، جیسے انٹرنیٹ اور سافٹ ویئر سے استفادہ کیا گیا ہے، جن میں درجہ ذیل نمایاں ہیں:
  - https://kitabosunnat.com/
  - https://waqfeya.net/
  - https://shamela.ws/
  - https://www.noor-book.com/en/

حوالہ جات اور حواشی کی ترتیب میں جامعہ کے مقررہ طریقہ کار کو مدنظر رکھتے ہوئے شکاگو مینول اسٹائل (Chicago Manual Style) اختیار کیا گیا ہے، جس سے حوالہ نویسی کا عمل منظم اور معیارِ تحقیق کے مطابق ہو چکا ہے۔

تحدید اور دائرہ کار موضوع: (Delimitation of the Study)

اس موضوع تحقیق میں شرکت کی ایک قسم مشترکہ عوامی ملکیت (شرکت اباحت) پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس طرح مشترکہ عوامی ملکیت کی جدید صورتوں کو خاص کیا گیا ہے اور مزید تحدید پاکستانی قوانین کی روشنی میں کی گئی ہے۔ اس تحقیق میں مشترکہ عوامی ملکیت کی معاصر صورتیں اور پاکستانی قوانین کا اسلامی اصولوں کے تناظر میں تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

ابواب وفصول کی تقسیم وترتیب: (ThemeChapterization of Research)

زیرِ نظر تحقیق کو منظم انداز میں پانچ ابواب پر مشتمل کیا گیا ہے، تاکہ موضوع کے مختلف پہلوؤں کا مرحلہ وار اور جامع جائزہ لیا جا سکے۔

باب اول: موضوع تحقیق سے متعلق بنیادی مباحث

فصل اول: موضوع تحقیق کا تعارف، ضرورت واہمیت

فصل دوم: جوازِ تحقیق، سوالات، مقاصد و تحدیدِ موضوع

فصل سوم: مشترکہ عوامی ملکیت کا فقہی تصور اور قرآن وحدیث سے ان کے ثبوت کے دلائل

مبحث اول: شرکت اور شرکت اباحت کا تعارف اور اس کی اقسام

مبحث دوم: مشترکہ عوامی ملکیت کا تصور قرآن اور حدیث کی روشنی میں

باب دوم: مشترکہ عوامی ملکیت سے متعلق فقہی مباحث اور پاکستان میں اس کی معاصر صورتوں کا جائزہ

فصل اول: مشترکہ عوامی ملکیت کی قدیم صورتیں اور متعلقہ شرعی احکام

فصل دوم: مشترکہ اشیاء سے متعلق تملیک کا ضابطہ اور پاکستان میں ان کی معاصر صورتیں

مبحث اول: مشترکہ اشیاء سے متعلق تملیک کا ضابطہ

مبحث دوم: پاکستان میں مشترکہ عوامی ملکیت کی جدید صورتیں

باب سوم: مشترکہ عوامی ملکیت سے متعلق پاکستانی قوانین کا شرعی تجزیہ

فصل اول: ملکیت کے اعتبار سے موجود پاکستانی قوانین کا شرعی تجزیہ

فصل دوم: منفعت کے اعتبار سے موجود پاکستانی قوانین کا شرعی تجزیہ

فصل سوم: مشترکہ عوامی ملکیت کا فقہی تصور اور قرآن و حدیث سے ان کے دلائل

مبحث اول: شرکت اور مشترکہ عوامی ملکیت کا تعارف اور اس کی اقسام

مبحث اول: شرکت اور مشترکہ عوامی ملکیت کا تعارف

شرکت کی تعریف:

شرکت کا لغوی معنی ہے کسی کو شریک کرنا یا شریک ہونا۔

علامہ ابن فارسؒ نے اپنی کتاب "معجم مقاييس اللغة" میں شین، راء، اور کاف کے بارے میں ایک اصول ذکر کرتے ہے کہ:

"(شرك) الشين والراء والكاف أصلانِ، أحدُهما يدلُّ على مقارنَة وخِلاَفِ انفراد، والآخر يدلُّ على امتدادٍ واستقامة."

کہ شین، راء اور کاف کے دو ہی اصولی معانی اور مفاہیم ہیں، پہلا اصول یہ ہے کہ یہ مقارنہ اور غیر منفرد پر دلالت کرتے ہے اور دوسرا یہ سیدھا اور لمبے ہونے پر دلالت کرتے ہے۔

جیسا علامہ ابن فارسؒ نے اس بات کو مثالوں کے ذریعہ واضح کیا ہے کہ:

"ويقال شاركتُ فلاناً في الشيء، إذا صِرْتَ شريكه. وأشركْتُ فلاناً، إذا جعلتَه شريكاً لك"

یعنی کہ میں نے فلان کو کسی چیز میں شریک کیا یا میں نے فلان کو کسی چیز میں شریک کیا۔

اس طرح ایک اور مثال قرآن سے ہے جب حضرت موسی اللہ تعالی سے اپنے بھائی حضرت ہارون کے بارے میں فرماتے ہے کہ: "وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي" کہ اس کو میرے کام میں یا میرے ساتھ شریک کروں۔

اس طرح دوسرے معنی کی علامہ صاحب نے یہ ذکر کی ہے کہ:

"وأمّا الأصل الآخر فالشرَك: لَقَم الطّريق، وهو شِرَاكُه أيضاً. وشِرَاك النَّعْل مشبَّه بهذا. ومنه شَرَكُ الصّائِدِ، سمِّي بذلك لامتداده." [1]

یعنی "شرک" کا دوسرا اصل مطلب راستہ روکنا ہے، اسی سے جال اور جوتے کے تسمے جیسے الفاظ لیے گئے ہیں، کیونکہ یہ پھیلاؤ اور گرفت کے تصور کو ظاہر کرتے ہیں۔

[1] ابن فارس، أبو الحسين أحمد بن زكريا، معجم مقاييس اللغة، الناشر : دار الفكر، الطبعة : 1399هـ – 1979م، ص:265، ج:3

اور یہ پہلا معنی ہماری مراد ہے؛ کیونکہ یہ ایسی چیز پر دلالت کرتا ہے جو دو یا دو سے زیادہ لوگوں میں شریک ہو اور یہ معنی مقصود بھی ہے۔

اس طرح علامہ ابن منظورؒ نے اپنی مشہور کتاب "لسان العرب" میں شرکت کے لغوی معنی کی وضاحت کی ہے کہ:

" (شرك) الشِّرْكَةُ والشَّرِكة سواء مخالطة الشريكين يقال اشترَكنا بمعنى تَشارَكنا وقد اشترك الرجلان وتَشارَكا وشارَك أَحدُهما الآخر" [2]

یعنی کہ "شرکت" یا "شراکت" کا مطلب ہے دو یا زیادہ افراد کا آپس میں شریک ہونا یا کسی چیز میں حصہ دار بننا۔

علامہ امام رازیؒ نے بھی اپنی مشہور کتاب "مختار الصحاح" میں لفظ "شرکت" کی لغوی معنی کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ:

"ش ر ك : جمع الشَّرِيكِ شُرَكَاءُ و أَشْرَاكٌ مثل شريف وشرفاء وأشراف والمرأة شَرِيكَةٌ والنساء شَرَائِكُ و شارَكَهُ صار شريكه و اشْتَرَكا في كذا و تَشارَكا و شَرِكَةُ في البيع والميراث"[3]

یعنی شرک: شریک کی جمع شُرَکاءُ اور أَشْرَاکٌ ہے، جیسے شریف کی جمع "شرفاء" اور "أشراف" ہے۔ عورت کے لیے "شَرِیکۃ" اور عورتوں کے لیے "شَرائِک" مستعمل ہوتا ہے۔ "شارکه" کا مفہوم ہے کہ وہ اس کا شریک بن گیا، "اشْتَرَکا" یعنی دونوں نے کسی چیز میں شرکت کی، اور "تَشارَکا" کا معنی ہے کہ انہوں نے آپس میں شراکت کی۔ "شَرِکۃ" کا مطلب ہے تجارت یا وراثت میں شرکت کرنا۔

امام فیومیؒ نے بھی اپنی کتاب "مصباح المنیر" میں لفظ "شرکت" کی تحقیق کچھ یوں کی ہے کہ:

"(شَرِكَةً) وزان كلم وكلمة بفتح الأول وكسر الثاني إذا صرت له شريكاً وجمع (الشَّرِيكِ) (شُرَكَاءُ) و (أَشْرَاكٌ)و(شَرَّكْتُ) بينهما في المال (تَشْرِيكًا) و (أَشْرَكْتهُ) في الأمر و البيع" [4]

یعنی کے (شرکت) وزن "کلم" اور "کلمۃ" پر ہے، جس میں پہلا حرف زبر کے ساتھ اور دوسرا زیر کے ساتھ ہوتا ہے، جب تم کسی کو اپنا شریک بناؤ۔ "شَرِیک" کی جمع "شُرَکاءُ"، "أَشْرَاکٌ" ہے۔ "شَرَّکتُ" کا مطلب ہے کہ میں نے دونوں کو مال میں شریک کیا (تَشْرِیکا) اور "اشْرَکته" کا معنی ہے کہ میں نے اسے کسی کام یا بیع میں شریک کیا۔

---

[2] ابن منظور، محمد بن مكرم الأفريقي المصري،لسان العرب،الناشر : دار صادر - بيروت،ص:448،ج:10

[3] الرازي ،محمد بن أبي بكر بن عبدالقادر ،مختار الصحاح، الناشر : مكتبة لبنان ناشرون – بيروت، الطبعة طبعة جديدة ، 1415 - 1995،ص: 354

[4] الفيومي،أحمد بن محمد بن علي المقري ، المصباح المنير في غريب الشرح الكبير للرافعي، الناشر : المكتبة العلمية - بيروت،ج:1،ص: 311

امام نسفیؒ نے بھی لفظ "شرکت" کی واضاحت کی ہے وہ فرماتے ہے کہ:

"ش ر ك : (الشَّرِكَةُ الْخِلْطَةُ وَقَدْ شَرِكَ فُلَانًا شَرِكَةً مِنْ حَدِّ عَلِمَ وَالشِّرْكُ بِدُونِ الْهَاءِ النَّصِيبُ قَالَ تَعَالَى }أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ] {الأحقاف: ٤ أَيْ نَصِيبُ وَيَجِيءُ الشِّرْكُ بِمَعْنَى الشَّرِكَةِ" [5]

لفظ 'شرکت' لغوی طور پر اختلاط، ملاوٹ یا اشتراک کے معنی میں آتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں کے ساتھ کسی خاص حد تک شرکت کی۔ اسی سے ملتا جلتا لفظ 'شِرک' (بغیر 'ہ' کے) نصیب یا حصہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے' :أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ السَّمَاوَاتِ؟ یعنی: "کیا ان کے لیے آسمانوں میں کوئی حصہ (شرکت) ہے؟" یہاں 'نصیب' یعنی 'حصہ' مراد ہے۔ اسی طرح "شرک" بعض مواقع پر شراکت اور اس طرح شرکت کے معنی میں بھی آتا ہے۔

شرکت کے اس معنی کی وضاحت پر امام نسفیؒ عربی کے ایک شعر سے استدلال کرتے ہے کہ:

"قَالَ قَائِلُهُمْ وَشَارَكْنا قُرَيْشًا فِي تُقَاهَا ... وَفِي أَنْسَابِهَا"

اس شعر میں ہمارا محل استدلال "شارکنا" ہے، جو شرکت کے معنی کی مزید وضاحت کر رہا ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ نے شرکت کی لغوی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"وَالشَّرِكَةُ لُغَةً :خَلْطُ النَّصِيبَيْنِ بِحَيْثُ لَا يَتَمَيَّزُ أَحَدُهُمَا، وَمَا قِيلَ إنَّهُ اخْتِلَاطُ النَّصِيبَيْنِ تَسَاهَلَ، فَإِنَّ الشَّرِكَةَ اسْمُ الْمَصْدَرِ، وَالْمَصْدَرُ الشِّرْكُ مَصْدَرُ شَرِكْت الرَّجُلَ أُشْرِكُهُ شِرْكًا، فَظَهَرَ أَنَّهَا فِعْلُ الْإِنْسَانِ وَفِعْلُهُ الْخَلْطُ"[6]

یعنی کہ دو حصوں کو اس طرح ملانا کہ وہ ایک دوسرے سے ممتاز نہ رہیں۔ بعض نے اسے صرف "حصوں کا باہمی اختلاط" کہا ہے، مگر یہ تعبیر زیادہ درست معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ شراکت (شریک ہونا) ایک مصدر ہے، اور اس کا اصل مصدر شرک ہے، جو "میں نے کسی شخص کو شریک کیا" کے مفہوم میں آتا ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ شراکت انسان کا ایک عمل ہے، اور اس کا عمل در حقیقت چیزوں کو آپس میں ملانا (خلط) ہے۔

---

[5] النسفي ،عمر بن محمد بن أحمد بن إسماعيل، أبو حفص، نجم الدين ، طلبة الطلبة، الناشر: المطبعة العامرة، مكتبة المثنى ببغداد، تاريخ النشر: ١٣١١هـ، ص:99، ص:99

[6] ابن الهمام، كمال الدين الحنفي، شرح فتح القدير على الهداية، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصفى البابي الحلبي وأولاده بمصر، وصَوّرتْها: دار الفكر، بيروت، الطبعة: الأولى، ١٣٨٩ هـ - ١٩٧٠ م، ج:6،ص:152

اصطلاحی معنی:

حنفیہ میں سے علامہ شامیؒ نے اپنی کتاب "فتاوی شامی" میں شرکت کی اصطلاحی تعریف کچھ یوں کی ہے کہ:

"عبارة عن عقد بين المتشاركين في الأصل والربح"[7]

یعنی ایسے عقد سے عبارت ہے، جہاں دو یا زیادہ افراد کسی خاص اصل (سرمایہ) اور اس سے ہونے والے منافع میں شریک ہوتے ہیں۔

علامہ عبدالغنی المیدانیؒ نے بھی اپنی کتاب "الباب فی شرح الکتاب" میں شرکت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"اختصاص اثنين أو أكثر بمحل واحد"[8]

یعنی دو یا اس سے زیادہ افراد کا کسی ایک ہی جگہ یا کسی ایک ہی چیز میں اشتراک رکھنا۔

بعض اہل علم نے شرکت کی تعریف "درر الحکام فی شرح مجلۃ الاحکام" میں اس طرح کی ہے کہ:

"الشركة في الأصل هي اختصاص ما فوق الواحد من الناس بشيء وامتيازهم بذلك الشيء"[9]

یعنی کہ شرکت اصل میں اسے کہتے ہے کہ ایک سے زیادہ لوگوں کا کسی چیز کے ساتھ خاص ہونا یا اس چیز کے ساتھ امتیاز حاصل کرنا۔

حنابلہ میں سے امام صالح بن زابن المرزوقی نے اپنی کتاب "کتاب شرکات العقد فی شرح الاسلامی" میں شرکت کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے کہ:

"الشركة هي :اجتماع في استحقاق، أو تصرف للكسب"[10]

یعنی کہ شرکت کسی چیز میں حق رکھنے یا کمائی کے لیے کسی معاملے میں مل جل کر شریک ہونے کا نام ہے۔

امام برہان الدین ابن فلح نے شرکت کی تعریف اس طرح کی ہے کہ:

"وهي عبارة عن الإجتماع في استحقاق أو تصرف"[11]

---

[7] ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي،رد المحتار على الدر المختار،الناشر: دار الفكر-بيروت،الطبعة: الثانية، 1412ھ - 1992م،ص:299،ج:4

[8] علامة عبد الغنى الميدانى، الباب فى شرح الكتاب،الناشر: المكتبة العلمية، بيروت - لبنان،ج:2،ص:121

[9] علي حيدر خواجه أمين أفندي، درر الحكام في شرح مجلة الأحكام، الناشر: دار الجيل، الطبعة: الأولى، 1411ھ - 1991م،ج:3،ص:6

[10] صالح بن زابن المرزوقي البقمي، شركات العقد في الشرع الإسلامي،ص:21، الناشر: مكتبة الرشد – الرياض، الطبعة: الأولى، ١٤٤٤ ھ

[11] برهان الدين ،محمد ابن مفلح، أبو إسحاق، ، المبدع شرح المقنع، الناشر : دار عالم الكتب، الرياض، الطبعة : 1423ھ /2003م، ج:4،ص:267

یعنی شرکت کالفظ عبارت ہے ایسے دو یا زیادہ افراد ایک مشترکہ حق یا فائدے کے لیے اکٹھے ہوں۔

علامہ ابن قدامہؒ نے "المغنی" میں شرکت کی یہی تعریف کی ہے:

"الشركة هي الإجتماع في استحقاق أو تصرف"[12]

یعنی کہ شرکت کسی چیز میں تصرف اور حق رکھنے کا نام ہے۔

مذکورہ بالا تمام تعریفوں سے اس بات کی وضاحت ہوئی کہ ش، راء اور کاف اس امر پر دال ہے کہ کسی چیز یا کسی منفعت وغیرہ میں ایک سے زیادہ افراد شامل ہو۔

شوافع میں سے علامہ شمس الدین محمد بن محمد الخطیب الشربینی نے اپنی کتاب " مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج" میں لفظ شرکت کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

"ثُبُوتُ الْحَقِّ فِي شَيْءٍ لِاثْنَيْنِ فَأَكْثَرَ عَلَى جِهَةِ الشُّيُوعِ" [13]

یعنی کہ کسی حق کا دو یا اس سے اکثر افراد کے لیے اس طرح ثابت ہونا کہ وہ سب اس میں مشاع طور پر برابر کے شریک ہوں۔

مالکیہ میں سے امام احمد بن محمد بن احمد الدردیر نے اپنی کتاب" أقرب المسالك لمذهب الإمام مالك"میں شرکت کی تعریف اس طرح کی ہے:

"عقدُ مالكيْ مالين فأكثر على التجر فيهما معاً، أو على عمل بينهما والربح بينهما بما يدل عرفا ولزمت به"[14]

یعنی کہ دو یا زیادہ مالکان کا اپنے اموال کو باہم ملا کر مشترکہ طور پر تجارت کرنے یا کسی کام میں شریک ہونے کا معاہدہ، جہاں نفع بھی ان کے درمیان متعین طریقے سے تقسیم ہو، اور یہ معاہدہ عرف کے مطابق معتبر اور لازم ہو۔

---

[12] ابن قدامة، عبد الله بن أحمد ،المغنى، الناشر : دار الفكر – بيروت، الطبعة الأولى ، 1405،ج:5،ص:109

[13]الشربيني، شمس الدين، محمد بن محمد، الخطيب ، مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج، الناشر: دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى، ١٤١٥ هـ - ١٩٩٤ م، ج:3،ص:221

[14] أحمد بن محمد بن أحمد الدردير: أقرب المسالك لمذهب الإمام مالك، مكتبة أيوب، كانو، نيجيريا، د ط، 2000، ص.108

مشترکہ عوامی ملکیت کا تعارف:

مشترکہ عوامی ملکیت کا تصور ایک فقہی تصور ہے، جس کو فقہی اصطلاح میں "شرکت اباحت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، لہذا اسی اصطلاح کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی لغوی اور اصطلاحی تشریح کی گئی ہے۔

شرکت اباحت:

لفظ شرکت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور وضاحت ماقبل میں میں گزر گئی ہیں۔

ا۔ لفظ اباحت کی صرفی تحقیق:

لفظ "اباحت" ثلاثی مجرد فعل "باحَ "(باب نصر) کا مصدر ہے، جس کا باب افعال میں مصدر "اباحت" بنتا ہے۔

۲۔ لفظ اباحت کی لغوی تحقیق:

علامہ ابن منظورؒ اپنی کتاب "لسان العرب" میں اس کی تشریح یوں کی ہے کہ:

" باحَ الشيءَ وأَباحَه إِذا جهر به" [15]

یعنی کہ کسی چیز کو ظاہر کرنا یا اس کا اعلان کرنا۔

"وأَبَحْتُك الشيء أَحللته لك وأَباحَ الشيءَ أَطلقه والمباحُ خلاف المحظور"[16]

یعنی اس کا مطلب ہے کہ میں نے تمہیں کسی چیز کی اجازت دی، یعنی اسے تمہارے لیے جائز کر دیا۔ "أباحَ الشيءَ" کا مطلب ہے کسی چیز کو آزاد یا جائز کر دینا اور "المباح" وہ ہے جو ممنوع (حرام) کے خلاف ہو، یعنی جائز ہو۔

علامہ محمد رواس قلعجی نے بھی "معجم لغة الفقهاء" میں "اباحت" کے مفہوم کی وضاحت انہی معنوں میں کی ہے:

" الإباحة :بالتحريك من أباح (السر):أظهره وجهر به،وأباح المحظور:جعله حلالا"[17]

یعنی کہ " الإباحة" کا مطلب ہے کسی چیز کو ظاہر کرنا یا اسے واضح کرنا۔ "أباح السر "یعنی راز کو ظاہر کیا۔ "أباح المحظور" یعنی ممنوع چیز کو جائز یا حلال کر دیا۔

---

[15] لسان العرب، ج:2،ص:416

[16] أيضاً

[17] محمد رواس قلعجي، معجم لغة الفقهاء، الناشر: دار النفائس للطباعة والنشر والتوزيع، الطبعة: الثانية، ١٤٠٨ هـ - ١٩٨٨ م،ج:1،ص:34

علامہ ابن فارسؒ نے بھی اس کی وضاحت کچھ یوں کی ہے:

" (بوح) الباء والواو والحاء أصلٌ واحد، وهو سَعَة الشيء وبروزُه وظهورُهُ"

یعنی کہ " بوح"کا مطلب ہے جو کسی چیز کی وسعت، نمایاں ہونا،اور ظاہر ہونے کو بیان کرتا ہے۔

اسی مادہ سے 'اباحت 'کا مفہوم بھی اخذ کیا جاتا ہے، جس کی طرف امام ابن فارسؒ نے بھی اشارہ فرمایا ہے:

" ومن هذا الباب إباحةُ الشيء، وذلك أنّه ليس بمحظُورٍ عليه، فأمرُهُ واسعٌ غيرُ مُضَيَّق"[18]

اسی بنیاد پر کسی شے کو مباح قرار دینے کا معنی یہ ہے کہ وہ ممنوع نہیں،اس کا استعمال جائز ہے اور اس پر کسی قسم کی پابندی یا سختی عائد نہیں کی گئی۔

۳۔اباحت کی اصطلاحی تعریف:

"مجلۃ الاحکام العدلیہ "میں اباحت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

" الْإِبَاحَةُ هِيَ عِبَارَةٌ عَنْ إعْطَاءِ الرُّخْصَةِ وَالْإِذْنِ لِشَخْصٍ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَتَنَاوَلَ شَيْئًا بِلَا عِوَضٍ"[19]

"اباحت "کی حد یہ ہے کہ کسی فرد کو بلا عوض کسی چیز کے استعمال یا کھانے کی اجازت دے دی جائے۔

" الموسوعة الفقهية الكويتية" میں اباحت کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے:

" الإباحة هي التخيير بين الفعل والترك دون ترتب ثواب أو عقاب"[20]

"اباحت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی عمل کو اختیار کرنے یا ترک کرنے کی آزادی دی جائے،اس طور پر کہ نہ اس عمل کے کرنے پر ثواب ہو اور نہ چھوڑنے پر گناہ۔"

قاضی ابو یعلی فراء نے "اباحت "کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

" الإباحة :مجرد الإذن، يدل عليه أن من أذن لغيره بأن يأكل طعامه، أو يسكن داره، أو يركب دابته، فقد أباحه له، فدل على أن الإباحة هي الإذن"[21]

---

[18] معجم مقاييس اللغة،ج:1،ص:315

[19] دررالحكام شرح مجلة الاحكام، الناشر: نور محمد، كارخانه تجارتِ كتب، آرام باغ، كراتشي،ج:1،ص:161

[20] الموسوعة الفقهية الكويتية، الطبعة الثانية ، دارالسلاسل – الكويت،ج:2،ص:376

[21] القاضي أبو يعلى، محمد بن الحسين الفراء، العدة في أصول الفقه، الطبعة: الثانية ١٤١٠ هـ - ١٩٩٠ م،ج:1،ص:167

اباحت صرف اجازت کا نام ہے، جیسا کہ اگر کوئی کسی کو اپنے کھانے کے استعمال یا اپنے گھر میں رہنے، یا کسی کو اپنی سواری کے استعمال کی اجازت فراہم کردے، تو اس نے اسے مباح کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ اباحت کا مطلب اجازت دینا ہے۔

ابوالمنذر المنیاویؒ نے بھی اباحت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

" الإباحة اصطلاحاً هي :خطاب الشارع بالتخيير بين الفعل والترك من غير بدل"[22]

یعنی کہ شارع کی طرف سے بغیر کسی عوض کے کام کو کرنے یا چھوڑنے کے درمیان اختیار دینا۔

علامہ وھبۃ الزحیلیؒ اپنی کتاب " الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ "میں اس حوالے سے لکھتے ہے:

اباحت ایک جامع اصطلاح ہے جو کسی شے کے استعمال یا اس سے منفعت حاصل کرنے کی اجازت کو اپنے دائرے میں شامل کرتی ہے۔ یہ اجازت عمومی بھی ہو سکتی ہے اور خصوصی بھی مثلاً عمومی اجازت میں کھانے یا پھلوں کے استعمال کی آزادی شامل ہے، جیسا کہ درختوں پر اگنے والے پھل یا کسی کھلے میدان میں موجود پانی کے ذخائر کا استعمال۔ اسی طرح، عوامی مفاد کے لیے دی گئی اجازت جیسے راستوں پر چلنا، پارکوں میں بیٹھنا، یا اسکولوں میں داخل ہونا، اباحت کی بہترین مثالیں ہیں۔

خصوصی اجازت کے تحت کسی شخص کی ذاتی ملکیت کو استعمال کرنے کی بات آتی ہے، مثلاً کسی کی گاڑی استعمال کرنا، اس کے گھر میں رہنا، یا کسی مخصوص شے سے فائدہ اٹھانا، اس کا ایک اور مفہوم یہ بھی ہے کہ انسان کو کسی عمل کے کرنے یا نہ کرنے کی اجازت حاصل ہو، بغیر کسی شرعی پابندی کے، یا اس کام کو اپنی مرضی کے مطابق انجام دینے کی آزادی ہو، بشرطیکہ وہ کام شریعت یا قانون کے مطابق ہوں۔[23]

شرکت اباحت کی اصطلاحی تعریف:

شرکتِ اباحت کا مفہوم یہ ہے کہ متعدد افراد کسی مباح چیز کے استعمال یا اس سے استفادے میں باہم شریک ہوں، جبکہ اس چیز کی ملکیت میں ان کا کوئی ذاتی حق نہ ہو، بلکہ اس کا استعمال عمومی اجازت یا قدرتی اصولوں کی بنیاد پر ہو۔ اس طرح دیگر الفاظ میں شرکتِ اباحت سے مراد یہ ہے کہ عوام الناس کسی ایسی مباح شے میں شریک ہوں جو کسی فرد کی ذاتی ملکیت نہ ہو۔

---

[22] أبو المنذر محمود بن محمد بن مصطفى المنياوي، المعتصر من شرح مختصر الأصول من علم الأصول، الناشر: المكتبة الشاملة، مصر، الطبعة: الثانية، ١٤٣٢ هـ - ٢٠١١ م،ص:28

[23] الزحيلي، وهبة بن مصطفى الفقه الاسلامي وأدلته، الناشر: دار الفكر - سوريَّة - دمشق، الطبعة: الرَّابعة ،ج:4،ص:2897

شرکت اباحت کی تعریف "مجلۃ الاحکام العدلیہ" میں ان الفاظ سے کی ہے:

" شركة الإباحة، وهي كون العامة مشتركين في صلاحية التملك بالأخذ"

یعنی کہ عام لوگوں کا ایسی اشیاء کو لینے اور محفوظ کر کے اپنی ملکیت میں داخل کرنے میں مشترک ہونا، جو اصل میں کسی کی ملکیت نہیں ہیں اور وہ چیزیں مباح ہیں، جیسا کہ پانی۔[24]

"شركة الإباحة" ایک فقہی اصطلاح ہے، جس کا معنی ہے کہ ایسی اشیاء جو کسی کی ذاتی تصرف میں نہ ہوں اور فطرتاً سب کے لیے مباح ہوں، ان پر تمام افراد کا برابر حق ہوں۔ مثلاً پانی، جنگلی جانور، جنگلات اور معدنیات وغیرہ۔ ان اشیاء کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا حق تمام افراد کو یکساں طور پر حاصل ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ کسی اور کے قبضے میں نہ ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک فرد کو ان پر مکمل اجارہ داری کا حق نہیں ہے جب تک کہ وہ ان کو اپنے تصرف میں لاکر قبضہ نہ کرلے۔ اس تصور کا مقصد قدرتی وسائل کو سب کے لیے دستیاب رکھنا اور ان پر بلاوجہ قبضے یا اجارہ داری کو روکنا ہے۔

"کتاب شرکات العقد فی شرح الاسلامی" میں علامہ صالح بن زابن المرزوقی نے بھی "شرکۃ الاباحۃ" کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے:

"شركة الإباحة: وهي إذن من الشارع في امتلاك أعيان أو منافع المباحات"[25]

"ومن أنواع الاشتراك في الانتفاع بالمباحات العامة، الاشتراك في الماء، والكلأ، وهو الحشيش والعشب، والنار، والملح، ونحوها، وكذلك الاشتراك في الانتفاع بالمرافق العامة، كالطريق، والمسيل، والمساجد، والأسواق،والحدائق العامة، وغير ذلك".[26]

یعنی "شرکتِ اباحت" سے مراد یہ ہے کہ شریعت نے کچھ اشیاء کو عوام الناس کے لیے مباح قرار دیا ہے، یعنی کوئی بھی شخص ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے یا ان اشیاء کو اپنی ملکیت میں لا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، کھلے پانی کے چشمے، جنگلات سے خشک لکڑی لینا، یا

---

[24] دررالحكام شرح مجلة الاحكام، ج:1،ص:203

[25] شركات العقد في الشرع الإسلامي،ص:29

[26] أيضاً

ایسی زمین جس پر کسی کی ملکیت نہ ہو، ان سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہوتی ہے۔ یہ سب چیزیں اس وقت تک مباح رہتی ہیں جب تک کوئی فرد یا حکومت ان پر مخصوص حق ملکیت قائم نہ کر لے۔

اس طرح بعض علماء نے "کتاب فقہ المعاملات" میں اس کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

یعنی "شركة الإباحة" کا مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں کو کچھ مباح چیزوں کے تملک (ملکیت حاصل کرنے) کا برابر حق حاصل ہوتا ہے۔ یعنی جو چیزیں اپنی اصل میں کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتیں، جیسے بہتا ہوا پانی، کھلے میدانوں کی گھاس، یا پہاڑوں میں قدرتی طور پر اگنے والے درخت، ان سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لہذا جو شخص ان چیزوں کو پہلے حاصل کر کے اپنے قبضے میں لے آئے، وہ ان کا مالک بن جاتا ہے۔ [27]

دنیا میں کئی ایسی چیزیں ہیں جو کسی خاص فرد کی ملکیت نہیں ہوتی ہیں، بلکہ سب انسانوں کے لیے عام ہوتی ہیں۔ ایسی چیزوں کو شریعت میں "شرکت اباحت" اور عام اردو زبان میں "مشترک عوامی ملکیت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی وہ چیزیں جن سے سب لوگ برابر فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ان کا استعمال سب کے لیے جائز ہے۔ مثال کے طور پر، سمندر کا پانی، ہوا، عام چراگاہیں، جنگلات اور وہ زمینیں جو کسی کی ملکیت میں نہ ہوں۔ یہ سب چیزیں قدرتی طور پر سب کے لیے کھلی ہوتی ہیں اور کوئی بھی شخص ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص ان اشیاء میں سے کسی کو اپنے قبضے میں لے لے یا اس پر محنت کر کے اس کو اپنے استعمال میں لے آئے، تو وہ اس کے ذاتی اختیار میں آسکتی ہے۔ مثلاً، اگر کوئی شخص کسی ویران زمین پر محنت کر کے کھیتی باڑی شروع کر دے یا کوئی پانی کے چشمے سے پانی بھر کر محفوظ کر لے، تو یہ چیز اس کی ملکیت بن جاتی ہے۔ شریعت کے مطابق، جو چیز کسی کی ملکیت میں نہ ہو، اس پر سب کو حق ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی اسے حاصل کر لے، تو دوسروں کا اس پر حق ختم ہو جاتا ہے، اور وہ صرف اسی شخص کی ملکیت شمار کی جاتی ہے۔ اسی طرح وہ اشیاء جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے عمومی فائدے کے لیے پیدا کی ہیں، یہ اشیاء سب کے لیے استفادے کے قابل ہیں۔ مثال کے طور پر، کھلے میدان، دریا، پہاڑوں کے چشمے اور وہ زمینیں جو کسی نے ابھی تک اپنے تصرف میں نہیں لائیں، یہ سب عام لوگوں کے لیے

[27] موسوعة فقه المعاملات، ج:4، ص:89

ہوتی ہیں۔ لیکن جیسے ہی کوئی ان میں محنت کرتا ہے، انہیں آباد کرتا ہے یا کسی طریقے سے اس پر قابو پالیتا ہے وہ اس کی ذاتی ملکیت بن جاتی ہیں۔

یہی اصول زمین اور دیگر قدرتی وسائل کے بارے میں بھی لاگو ہوتا ہے کہ اگر کوئی زمین کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور کوئی فرد یا حکومت اس پر کام کر کے اسے قابلِ استعمال بنا لے، تو وہ اس کی ملکیت بن جاتی ہے۔ اسی طرح، اگر کوئی چیز زمین میں دفن ہو، جیسے قیمتی معدنیات یا خزانہ، اور کوئی اسے نکال لے، تو وہ اس کی ملکیت بن جاتی ہے، بشرطیکہ وہ پہلے کسی کے قبضے میں نہ ہو۔

اباحت اور ملکیت میں فرق:

آسان الفاظ میں ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ اباحت نام ہے کسی چیز کے استعمال کی اجازت دینا بغیر اس کی ملکیت منتقل کیے، اور ملکیت نام ہے کسی چیز کو دوسرے کی ملکیت میں دینا۔

اسی طرح علامہ زحیلیؒ نے ملکیت اور اباحت کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

" الملك:هو أن الملك يكسب صاحبه حق التصرف في الشيء المملوك ما لم يوجدمانع"

"أما الإباحة :فهي حق الإنسان"[28]

ملکیت اپنے مالک کو اس کی چیز پر مکمل اختیار فراہم کرتی ہے، جب تک کہ اس میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو۔ یعنی ملکیت کا مفہوم یوں بھی لیا جاسکتا ہے کہ ملکیت سے وہ عین یا چیز انسان کے اختیار میں آجاتی ہے اور وہ خود جیسا چاہے استعمال کر سکتا ہے اور اس چیز کو استعمال کرنے سے دوسروں کو منع بھی کر سکتا ہے۔

"اباحت" سے مراد کسی شخص کا کسی چیز سے خود براہ راست نفع اٹھانے کا حق ہے، بشرطیکہ اس کو اجازت حاصل ہو۔ یہ اجازت دو طرح کی ہو سکتی ہے: یا تو کسی چیز کے مالک کی طرف سے ہو، جیسے کوئی شخص اپنی گاڑی کسی کو سواری کے لیے استعمال کرنے دے یا شریعت کی طرف سے ہو، جیسے عوامی سہولیات سے فائدہ اٹھانا، مثلاً سڑکوں پر چلنا، دریا سے پانی لینا یا چراگاہوں میں مویشی چرانا۔[29]

---

[28] الفقه الاسلامي وأدلته، ج:4، ص:2898

[29] أيضاّ

شرکت کی اقسام

فقہاء کرام نے ابتدا میں شرکت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ شرکت ملک

۲۔ شرکت عقد

پھر شرکت کی ان قسموں میں سے ہر ایک کی مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں۔

"تنقسم الشركة أولاً إلى قسمين شركة ملك وشركة عقود"[30]

اس کے ساتھ ساتھ بعض فقہاء کرام نے شرکت کی ایک تیسری قسم کا بھی اضافہ کیا جس کو "شرکت اباحت" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

"ويوجد سوى هذين القسمين شركة الإباحة"[31]

یعنی کہ ان دو قسموں کے علاوہ بھی شرکت کی ایک اور قسم ہے جس کو شرکت اباحت کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اس طرح پھر شرکت ملک اور شرکت عقد کی مزید فقہاء کرام نے کئی اقسام ذکر کئے ہیں:

۱۔ شرکت ملک کی تعریف:

"شركة الملك هي كون الشيء مشتركا بين أكثر من واحد أي مخصوصا بهم بسبب من أسباب التملك كالاشتراء والاتهاب"[32]

"شركة الملك" کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شے متعدد افراد کی مشترکہ ملکیت میں ہو، یعنی وہ سب اس مساوی حق دار ہوں۔ یہ اشتراک کسی ملکیت حاصل کرنے کے سبب سے ہوتا ہے، جیسے خرید وفروخت (اشتراء) یا کسی سے ہدیہ (اتہاب) کے طور پر ملنے سے۔

---

[30] الجزيري، الفقه على المذاهب الأربعة، عبد الرحمن بن محمد عوض ، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان، الطبعة: الثانية، ١٤٢٤ هـ - ٢٠٠٣ م، ج:3،ص:60

[31] درر الحكام في شرح مجلة الأحكام،ج:3،ص:6

[32] أيضاً

شرکت ملک کی پھر مزید چار قسمیں ہیں:

1۔شرکت اختیاری

2۔شرکت جبری

3۔شرکت عین

4۔شرکت دین

شرکت اختیاری:

" وأما شركة الاختيار فهي أن يجتمعا في ملك عين باختيارهما كما إذا خلطا مالهما باللاختيار أو اشتريا عيناً بالاشتراك"[33]

شرکتِ اختیاری اس شراکت کو کہتے ہیں جو شرکاء کی رضامندی اور باہمی اختیار سے کسی چیز کی ملکیت میں قائم ہو، جیسا کے دو افراد اپنے مال کو اپنے اختیار سے اپس میں ملادے یا کوئی چیز مل کر خریدے۔

شرکت جبری:

"شركة الجبر"ایک ایسی شراکت ہے جس میں دو یا زیادہ افراد کسی چیز کی ملکیت میں زبردستی یا بغیر اپنی مرضی کے شریک ہو جاتے ہیں۔یعنی وہ کسی مخصوص چیز کے مالک بن جاتے ہیں بغیر ان کے اختیار کے۔مثال کے طور پر اگر دو افراد کسی کا ترکہ (وراثت) حاصل کریں تو وہ غیر اختیاری طور پر اس میں شریک ہو جاتے ہیں۔اسی طرح اگر ایک شخص کا مال کسی دوسرے کے مال کے ساتھ اس طرح مل جائے کہ ان دونوں کو الگ کرنا ممکن نہ ہو، تو وہ بھی اس شراکت میں مجبوراً شامل ہو جاتے ہیں۔[34]

شرکت عین:

"شركة العين الاشتراك في المال المعين والموجود كاشتراك اثنين شائعا في شاة أو في قطيع غنم"[35]

---

[33] الفقه على المذاهب الأربعة، ج:3،ص:60

[34] أيضاً

[35] دررالحكام شرح مجلة الاحكام، ج:1،ص:205

"شركة العين" کا معنی یہ ہے کہ کسی مخصوص اور موجود مال میں دو یا زیادہ افراد کا اشتراک ہو۔ یعنی وہ کسی معین چیز کے مشترکہ مالک ہوں۔ جیسے دو افراد کا کسی ایک بکری میں برابر کا حصہ دار ہونا، یا کئی افراد کا ایک پورے ریوڑ میں مشترکہ ملکیت رکھنا۔

شرکت دین:

"شركة الدين الاشتراك في الدين كاشتراك اثنين في قدر كذا درهما في ذمة آخر"[36]

"شركة الدين" کا مفہوم یہ ہے کہ قرض میں دو یا زیادہ افراد کا اشتراک ہو، یعنی کسی مخصوص مقدار کے قرض میں سب شریک ہوں۔ مثال کے طور پر، اگر دو اشخاص کسی تیسرے شخص کے ذمے ایک مخصوص رقم (جیسے کچھ درہم) کے حق دار ہوں، تو وہ دونوں اس قرض میں برابر کے شریک سمجھے جائیں گے۔

۲۔ شرکت عقد:

"شركة العقد عبارة عن عقد شركة بين اثنين أو أكثر على كون رأس المال والربح مشتركا بينهم "[37]

"شركة العقد" ایک ایسا معاہدہ ہے جو دو یا زیادہ افراد کے درمیان ہوتا ہے، جس کے تحت وہ اس بات پر متفق ہوتے ہیں کہ ان کا سرمایہ اور نفع آپس میں مشترک ہوگا۔

اس کے بعد شرکتِ عقد کی مزید تین اقسام بیان کی جاتی ہیں:

1۔ شرکت الاموال

2۔ شرکت الاعمال

3۔ شرکت الوجوہ

شرکت الاموال کی تعریف:

"الشركة بالمال وهي عبارة عن أن ينفق اثنان فأكثر على أن يدفع كل واحد منهما مبلغاً من المال لاستثماره

---

[36] دررالحكام شرح مجلة الاحكام، ج:1،ص:205

[37] أيضا، ج:3،ص:340

بالعمل فيه ولكل واحد من الشركاء جزء معين من الربح"[38]

یعنی کہ شراکت داری میں دو یا زیادہ افراد مل کر سرمایہ لگاتے ہیں اور ایک مخصوص رقم کاروبار میں لگانے پر متفق ہوتے ہیں، تاکہ اسے مل کر چلایا جاسکے۔اس سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والے نفع میں شرکاء کا حصہ باہمی اتفاق سے متعین کیا جاتاہے، جو ان کی شراکت کے تناسب سے تقسیم کیا جاتاہے۔

پھر شرکت الاموال کی دو قسمیں ہیں:

الف۔ شرکت المفاوضہ فی المال

ب۔ شرکت العنان فی المال

الف۔ شرکت المفاوضہ فی المال

" شركة المفاوضة في المال وهي عبارة عن أن يتعاقد اثنان فأكثر أن يشتركا في عمل بشرط أن يكونا متساويين في مالهما وملتهما ويكون كل واحد منهما كفيلاً عن الآخر فيما يجب عليه من شراء وبيع"[39]

شراکتِ مفاوضہ وہ شراکت ہے جس میں متعدد افراد باہمی رضامندی سے طے شدہ شرط کے مطابق شراکت کرتے ہیں کہ وہ اپنے سرمائے اور کام میں برابر کے شریک ہوں گے۔اس شراکت کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ ہر شریک دوسرے کی طرف سے ضمانت کا ذمہ دار ہوتاہے، یعنی اگر کوئی خرید وفروخت یا مالی لین دین کرے، تو اس کی ذمہ داری دونوں پر یکساں ہوگی۔

ب۔ شرکت العنان فی المال

"شركة العنان في المال وهي أن يشترك اثنان في نوع واحد من أنواع التجارة كالقمح أو القطن، أو يشترك في جميه أنواع التجارة"[40]

یعنی جس میں دو افراد کسی ایک تجارتی نوع (جیسے گندم یا کپاس) میں شراکت کریں، یا سب تجارت کی اقسام میں شراکت کر

[38] الفقه على المذاهب الأربعة، ج:3،ص:63

[39] أيضاً

[40] أيضا

لیں۔

شرکت الاعمال:

"بأن جعلوا عملهم رأس مال على تقبل العمل من آخر أي تعهده والتزامه وعلى أن يقسموا الكسب الذي سيحصل أي الأجرة بينهم فتكون شركة أعمال، وتسمى أيضا هذه الشركة شركة أبدان وشركة صنائع وشركة تقبل"[41]

اگر شراکت اس بنیاد پر ہو کہ شریک اپنے سرمائے کے بجائے اپنی محنت اور مہارت کو شامل کریں، یعنی کسی دوسرے سے کام لے کر اسے انجام دینے کا معاہدہ کریں اور حاصل ہونے والی آمدنی (اجرت) کو آپس میں تقسیم کریں، تو اسے "شراکتِ اعمال" کہا جاتا ہے۔ اس قسم کی شراکت کو "شراکتِ ابدان"، "شراکتِ صنائع" یا "شراکتِ تقبل" بھی کہا جاتا ہے۔

شرکت اعمال کی بھی دو قسمیں ہیں:

الف۔ شرکت المفاوضہ فی الاعمال

ب۔ شرکت العنان فی الاعمال

الف۔ شرکت المفاوضہ فی الاعمال

"فالقسم الأول من شركة الأبدان مفاوضة هو أن يذكر فيها لفظ المفاوضة أو معنى بأن يشترط الصانعان أن يتقبلا الأعمال على التساوي وأن يتساويا في الربح والخسارة وأن يكون كل واحد كفيلاً عن صاحبه"[42]

یعنی شرکت ابدان کی پہلی قسم مفاوضہ کہلاتی ہے۔ اس میں یا تو صراحتاً "مفاوضہ" کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے یا اس کا مفہوم پایا جاتا ہے، جیسے کہ دو کاریگر اس شرط پر شراکت کریں کہ وہ کام کو برابر قبول کریں گے، منافع اور نقصان میں مساوی شریک ہوں گے، اور ہر شریک ایک دوسرے کا کفیل ہو گا۔

---

[41] درر الحكام في شرح مجلة الأحكام، ج:3، ص:345

[42] الفقه على المذاهب الأربعة، ج:3، ص:64

ب۔ شرکت العنان فی الاعمال

"والقسم الثاني من شركة الأبدان عناناً: هي أن يشترطا التفاوت في العمل والأجر بأن يقولا إن على أحدهما الثلثين من العمل وعلى الآخر الثلث مثلاً والربح والخسارة بينهما على نسبة ذلك"[43]

شرکت ابدان کی دوسری قسم **عنان** کہلاتی ہے، جس میں کام اور اجرت میں تفاوت کی شرط رکھی جاتی ہے۔ مثلاً، اگر دونوں شریک یہ طے کریں کہ ایک دو تہائی کام کرے گا اور دوسرا ایک تہائی، تو نفع اور نقصان بھی اسی تناسب کے ساتھ تقسیم ہو گا۔

شرکت الوجوہ کی تعریف:

"وإذا عقدوا الشركة مع عدم وجود رأس مال لهم على أن يشتروا مالا نسيئة على ذمتهم ويبيعوه وأن يقتسموا الربح الحاصل بينهم فتكون الشركة شركة وجوه"[44]

یعنی کہ اگر شراکت اس طرح ہو کہ شرکاء کے پاس کوئی سرمایہ نہ ہو، بلکہ وہ ادھار پر سامان خریدیں اور پھر اسے فروخت کر کے حاصل ہونے والا منافع آپس میں تقسیم کریں، تو ایسی شراکت کو "شراکتِ وجوہ" کہا جاتا ہے۔

اسی طرح شرکتِ وجوہ کی بھی دو ذیلی اقسام بیان کی جاتی ہیں:

الف۔ شرکت المفاوضہ فی الوجوہ

ب۔ شرکت العنان فی الوجوہ

الف۔ شرکت المفاوضہ فی الوجوہ

"فالقسم الأول: من شركة الوجوه مفاوضة ....ويتلقطا بالمفاوضة ويذكرا معنى تقصيها فتتحقق وكالة كل واحد منها عن صاحبه فيما له وكفالته فيما عليه"[45]

شرکت وجوہ کی پہلی قسم **مفاوضہ** کہلاتی ہے، جس میں دونوں شریک کفالت کے اہل ہوتے ہیں اور یہ شراکت برابر (نصف

---

[43] الفقه على المذاهب الأربعة، ج:3،ص:64

[44] دررالحكام في شرح مجلة الأحكام، ج:3،ص:346

[45] الفقه على المذاهب الأربعة، ج:3،ص:65

نصف)ہوتی ہے، ہر ایک اپنے حصے کی قیمت کا ذمہ دار ہوتا ہے، منافع میں مساوی شریک ہوتے ہیں،اور شراکت کا مفہوم واضح طور پر بیان کیا جاتا ہے۔اس شراکت میں ہر شریک اپنے ساتھی کا نمائندہ یا وکیل بن کر عمل کرتا ہے۔ جواس کے حقوق وواجبات کا ضامن بھی ہوتا ہے۔

ب۔شرکت العنان فی الوجوہ

"القسم الثاني: من شركة الوجوه عناناً ....يتفاضلا فيما يشتريانه كأن يشتري أحدهما ربع السلع والآخر باقيها أو لم يذكر شيئاً يدل على المفاوضة".[46]

یعنی شرکت وجوہ کی دوسری قسم **عنان** کہلاتی ہے، جس میں مفاوضہ کی تمام شرائط پوری نہ ہوں۔ مثلاً،اگر دونوں شریک کفالت (ضمانت) کے اہل نہ ہوں، یا جو چیزیں خرید رہے ہوں ان میں برابری نہ ہو، جیسے کہ ایک چوتھائی سامان خریدے اور دوسرا باقی تین چوتھائی یا اگر معاہدے میں کوئی ایسی شرط نہ رکھی گئی ہو جو شرکت مفاوضہ کی طرف اشارہ کرے۔

شرکت عنان اور مفاوضہ میں فرق:

ان دونوں قسموں میں مندرجہ ذیل پانچ قسم کے فروق ہیں:

۱۔یعنی شرکت عنان میں تمام شرکاء کا سرمایہ برابر ہونا ضروری ہے، جبکہ شرکت مفاوضہ میں ضروری نہیں ہے۔

۲۔ یعنی کہ شرکت عنان میں یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شریک ایسا سرمایا شرکت میں فرہم کرے جو فوراً سرمایہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہو، بلکہ نقد کے علاوہ کوئی سامان بھی شرکت میں دے سکتا ہے، لیکن شرکت مفاوضہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔

۳۔یعنی شرکت عنان میں اس بات کی اجازت ہے کہ شرکاء کا سرمایہ مختلف جنس کا ہو اور اس کے قیمت میں بھی کمی زیادتی ہو، جیسے کے کسی ایک شریک کا 100 دینار ہو اور دوسرے شریک کا 50 ریال ہو،اس کے ساتھ ساتھ شرکت مفاوضہ میں اس بات کی اجازت تو ہے کہ دونوں شرکاء کا سرمایا مختلف ہو، لیکن اس کے لیے ضروی ہے کے دونوں سرمائے قیمت میں برابر ہو۔

۴۔ یعنی کے شرکت عنان میں شرکاء کے درمیان نفع کا تناسب برابر رکھنا ضروری نہیں ہے، جبکہ شرکت مفاوضہ میں یہ بات ضروری ہے۔

[46] الفقه على المذاهب الأربعة، ج:3،ص:64

۵۔ "تعقد شركة العنان على عموم التجارة كما أنها تعقد على نوع خاص من أنواع التجارة"

یعنی کے شرکت عنان میں کاروبار کی کسی ایک قسم کو متعین کر کے صرف اسی ہر شرکت کرنا جائز ہے، جبکہ شرکت مفاوضہ میں کسی ایک قسم کی شرکت کو خاص نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس میں ہر شریک ہر قسم کا کاروبار کر سکتا ہے۔[47]

[47] دررالحکام في شرح مجلة الأحكام، ج:3،ص:386

## مبحث دوم:	مشترکہ عوامی ملکیت کا تصور قرآن اور حدیث کی روشنی میں

مبحث دوم: مشترکہ عوامی ملکیت کا تصور قرآن اور حدیث کی روشنی میں

مشترکہ عوامی ملکیت کی اصطلاح چونکہ شرکت اباحت سے ماخوذ ہے جس کی فقہاء کرام نے قدیم فقہی کتب میں وضاحت کی ہے۔ لہذا مشترکہ عوامی ملکیت کی مشروعیت سے پہلے "شرکت" کی مشروعیت جاننا ضروری ہے۔

شرکت کی مشروعیت:

"الشركة جائزة :لأنه صلى الله عليه وسلم بعث والناس يتعاملون بها فقررهم عليه"[48]

یعنی کے شرکت جائز ہے؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو لوگ آپس میں اس طرح کا معاملہ کرتے تھے، لیکن آپ نے پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

چنانچہ شرکت کے ثبوت پر قرآن، سنت، اجماع اور حتی کے قیاس کے بھی دلائل موجود ہیں:

ا۔ قرآن

پہلی آیت:

﴿فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾[49]

ترجمہ: پس اگر ورثاء کی تعداد ایک سے زیادہ ہو، تو وہ سب ایک تہائی میں برابر حصے دار ہوں گے، اس شرط کے ساتھ کہ وصیت میں کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ یہ اللہ کا طے کردہ حکم ہے، اور اللہ سب کچھ جاننے والا، بردبار ہے۔

اس میں آیت میں ماں شریک بہن بھائیوں کو وراثت میں شریک قرار دیا ہے، یعنی کہ اگر میت کے وارث صرف ماں ہو، تو اسے ترکہ کا ایک تہائی (3/1) حصہ ملے گا، لیکن اگر ورثاء کی تعداد ایک سے زائد ہو (مثلاً والدہ کے ساتھ بہن بھائی بھی ہوں) تو وہ سب مل کر اس ایک تہائی کے حق دار ہوں گے۔ البتہ یہ تقسیم قرض یا وصیت کی ادائیگی کے بعد عمل میں لائی جائے گی جو میت نے

---

[48] شرح فتح القدير على الهداية لابن الهمام الحنفي، ،ج:6،ص:152

[49] النساء: 12

اپنے مال میں سے کرنے کی ہدیہ کی ہو، بشر طیکہ وصیت یا قرض میں کسی قسم کی زیادتی (نقصان یا حق تلفی) نہ کی گئی ہو۔

یہ آیت بھی بھی شرکت کے جواز پر دلالت کرتی ہے کہ شرکت ایک جائز عقد ہے؛ کیونکہ اگر شرکت بذات خود ناجائز ہوتا تو اس آیت میں اللہ تعالی ماں شریک بہن بھائیوں کو وراثت میں شریک ہونے کا حکم نہ کرتے۔

دوسری آیت:

﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ﴾[50]

ترجمہ: اور اکثر شریک ایک دوسرے کے حق میں زیادتی کرتے ہیں، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، اور یہ لوگ بہت کم ہیں۔ پھر حضرت داؤدؑ کو یہ علم ہوا کہ ہم نے انہیں آزمائش میں مبتلا کیا ہے، چناں چہ انہوں نے اپنے رب سے مغفرت مانگی اور سجدہ ریز ہو کر اللہ کی طرف رجوع کیا۔

یعنی کہ اس آیت میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ عام طور پر شریک (business partners, joint owners) ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں۔ جب دو یا زیادہ لوگ کسی معاملے میں شراکت رکھتے ہیں، تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرنے کی کوشش کرتا ہے، حق تلفی کرتا ہے، یا انصاف سے ہٹ کر نفع لینے کی کوشش کرتا ہے۔ تاہم، وہ لوگ جو سچے ایمان والے ہوتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں، وہ دوسروں پر ظلم نہیں کرتے۔ ان کے معاملات عدل اور دیانت پر مبنی ہوتے ہیں۔ "وَقَلِيلٌ مَا هُمْ" سے مراد بھی یہ ہے کہ ایسے ایماندار اور نیکوکار لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ عام طور پر دنیا میں افراد اپنے مفاد کے لیے عمل کرتے ہیں اور شراکت داری میں بد دیانتی کا رجحان پھیلتا ہے۔

اس آیت میں "ظن" کے معنی کے بارے میں علامہ ابن جریر طبریؒ اپنے تفسیر میں لکھتے ہے کہ:

"يقول: وعلم داود أنما ابتُليناه، كما:

حدثنا بشر، قال: ثنا يزيد، قال: ثنا سعيد، عن قتادة(وَظَنَّ دَاوُدُ) : علم داود.حدثني يعقوب بن إبراهيم،

---

[50] ص: 24

قال: ثنا ابن عُلَية، عن أبي رجاء، عن الحسن(وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ) قال: ظن أنما ابتُلي بذاك."[51]

اس آیت میں(وَظَنَّ دَاوُدُ)سے مراد یہ ہے، حضرت داود ؑ کو علم ہوا،یعنی لفظ" ظن "سے مراد علم ہے نہ کے گمان۔یعنی کہ حضرت حضرت داود ؑ کو یہ علم ہوا کہ اللہ رب العزت ان کو اس فیصلہ کی وجہ سے آزما رہے ہیں تو وہ سجدہ ریز ہوئے۔

اس طرح آیت میں بھی شرکت کے اصول کی طرف نشاندہی کی ہے اور شرکت میں دیانت داری کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ ہر شریک پر لازم ہے کہ شرکت میں ایک دوسرے کے ساتھ دیانت داری کے ساتھ پیش آئے ،اس طرح یہ آیت بھی شرکت کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔

تیسری آیت:

﴿فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا﴾[52]

ترجمہ:اپنے میں سے کسی کو چاندی کا سکہ دے کر شہر کی طرف روانہ کرو، پھر وہ اچھی طرح تحقیق کرے کہ کون سا کھانا حلال ہے،تاکہ وہ تمہارے لیے وہاں سے کھانا لے کر آئے۔اور اسے چاہیے کہ وہ ہوشیاری سے کام لے اور تمہاری بات کسی کے سامنے نہ لائے۔

اس آیت میں اصحابِ کہف کے واقعے کا بیان ہے، کہ صحابِ کہف وہ نوجوان تھے جنہوں نے اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے ایک غار میں پناہ گزین ہوئے اور اللہ نے انہیں ایک طویل مدت تک نیند میں رکھا۔جب وہ بیدار ہوئے، توانہیں بھوک محسوس ہوئی اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان میں سے ایک شخص شہر جا کر کھانے کا انتظام کرے۔

اس آیت سے بھی شرکت کی طرف اس طرح اشارہ مل سکتا ہے کہ اصحاب کہف نے اپنے میں سے ایک ساتھی چن کا اسے مشترک مال دے کر بازار کی طرف اپنے کھانے کے انتظام کے لیے بھیجا۔

جیسا علامہ طبریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں اصحابِ کہف کے واقعے کا ذکر کیا ہے اور اس میں اصحاب کہف میں سے جسے بازار

---

[51] الطبري ،محمد بن جريرأبو جعفر ،جامع البيان في تأويل القرآن،المعروف بالتفسير الطبري،الناشر : مؤسسة الرسالة،الطبعة : الأولى ، 1420 هـ – 2000 م،ج:21،ص:181

[52] الكهف: 19

کھانے کے لیے بھیجا گیا تھا ان کے قول سے بھی یہی استدلال ہوتا ہے جو اس آیت کے ضمن میں آتا ہیں:

"فقال : من أين لك هذه الورق؟ قال : خرجت أنا وأصحاب لي أمس ، حتى أدركنا الليل في كهف كذا وكذا،ثم أمروني أن أشتري لهم طعاما"[53]

اس قول"ثم أمروني أن أشتري لهم طعاما"**یعنی 'پھر ان سب نے مجھے حکم دیا کہ ان کے لیے کھانا خریدوں' سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ انہوں نے اس شخص کو مشترکہ مال دے کر اپنے کھانے کے لیے روانہ کیا۔**

چوتھی آیت:

﴿وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي (32) كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا (33) وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا (34) إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا﴾ [54]

ترجمہ: اور انہیں میرا شریک کار بنا دیجیے تاکہ ہم آپ کی تسبیح زیادہ سے زیادہ کریں اور آپ کا ذکر کثرت سے کریں۔ بے شک آپ ہمیں بخوبی دیکھنے والے ہیں۔

یعنی کہ ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا بیان ہیں، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کی ہدایت کے لیے بھیجا، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ ان کے بھائی، حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی ان کے ساتھ اس ذمہ داری میں شریک کیا جائے۔

"وقوله(وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي) يقول: واجعله نبيا مثل ما جعلتني نبيا، وأرسله معي إلى فرعون"[55]

یعنی کہ "وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي** "کا مطلب یہ ہے کہ:**

"اے اللہ! اسے بھی نبی بنادے، جیسے تونے مجھے نبی بنایا ہے، اور اسے میرے ساتھ فرعون کی طرف بھیج"۔

حضرت موسیٰؑ کی یہ دعا کہ حضرت ہارونؑ کو ان کا شریک بنایا جائے، اس آیت سے شرکت کے تصور کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

پانچویں آیت:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ﴾[56]

---

[53] تفسير الطبري، ج:17،ص:628

[54] طه: 32 - 35

[55] تفسير الطبري، ج:18،ص:300

[56] فاطر: 40

ترجمہ: کہہ دیجئے: ذرا مجھے بتاؤ تو سہی، وہ تمہارے شریک جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، انہوں نے زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے؟ یا کیا آسمانوں میں ان کا کوئی حصہ ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ طبری لکھتے ہے:

"يقول تعالى ذكره لنبيه محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:(قُلْ) يا محمد لمشركي قومك(أَرَأَيْتُمْ) أيها القوم(شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الأَرْضِ) يقول: أروني أي شيء خلقوا من الأرض(أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ) يقول: أم لشركائكم شرك مع الله في السماوات إن لم يكونوا خلقوا من الأرض شيئً"[57]

اللہ رب العزت اپنے پیغمبر ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: ان مشرکوں سے کہیے، کیا تم نے اس بارے میں کوئی غور و تدبر کیا؟ اے لوگوں تمہارے شریک، جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے؟ (یعنی مجھے بتاؤ کہ ان (معبودانِ باطل) نے زمین میں سے کون سی چیز پیدا کی ہے یا ان کا آسمانوں میں کوئی حصہ ہے؟ یعنی اگر انہوں نے زمین میں کچھ نہیں پیدا کیا، تو کیا ان کا اللہ کے ساتھ آسمانوں میں کوئی شراکت ہے؟ اگر وہ خالق نہیں اور کائنات میں کسی طرح کا کوئی اختیار نہیں رکھتے، تو پھر وہ عبادت کے لائق بھی نہیں ہو سکتے۔

اس آیت اور اس کے مفہوم سے بھی شرکت کا استدلال ہو رہا ہے۔

۲۔ حدیث:

"الحديث النبوي هو كل ما أضيف إلى النبي ﷺ من قول، أو فعل أو تقرير أو صفة خلقية أو صفة خلقية"[58]

ترجمہ: حدیث نبوی ہر وہ چیز ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو، خواہ وہ قول ہو، فعل ہو، تقریر (یعنی کسی کام پر خاموشی اختیار کرنا) ہو، یا آپ کی خلقی (اخلاقی) صفت ہو یا خَلقی (جسمانی) صفت ہو۔

پہلی حدیث:

آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

---

[57] تفسير الطبري، ج:20،ص:480

[58] محمد حسن عبد الغفار، شرح المنظومة البيقونية،فصل مصطلحات حديثية، مصدر الكتاب: دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية، ج:1، ص:9

"عن أبي هريرة رفعه قال: إن الله يقول أنا ثالث الشريكين ما لم يخن أحدهما صاحبه فإذا خانه خرجت من بينهما"[59]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں دو شریکوں کے ساتھ تیسرے کے طور پر ہوتا ہوں، بشرطیکہ ان میں سے کوئی خیانت نہ کرے۔

التخريج:

أخرجه الحاكم في "مستدركه"[60]، والبيهقي في "سننه الكبير"[61].

الحكم على الحديث: قال الحاكم: حديث صحيح الإسناد[62].عند الدارقطني نعم أعله الدارقطني في علله بالإرسال حيث رواه جرير عن أبي حيان عن أبيه مرسلا وقال إنه الصواب.[63]

"يقول الإمام أبو داود السجستاني رحمه الله تعالى: باب في الشركة، والشركة: هي الاشتراك في تجارة، سواء قدم كل منهما منه مالاً وعملاً أو يكون من أحدهما المال والثاني منه العمل، أو ليس بأيديهم مال، ولكن عندهم عمل، فيشتغلون بأبدانهم، فكل هذه من الشركة. والأصل فيها الجواز؛ إلا إذا وجد شيء أو شرط يؤدي إلى أمر فيه غرر أو محذور"[64]

شرکت کا مطلب ہے تجارت میں شرکت کرنا، خواہ دونوں شریک اپنے مال اور محنت دونوں کو شامل کریں، یا ان میں سے ایک مال فراہم کرے اور دوسرا محنت کرے، یا ان کے پاس کوئی مال نہ ہو لیکن وہ محض اپنی محنت سے کام کریں۔ یہ تمام صورتیں شراکت میں شامل ہیں۔ اور شرکت کا اصل حکم جواز کا ہے، البتہ اس شرکت کی جوازیت اس وقت تک برقرار رہتی ہے جب تک اس

---

[59] أبو داود، سليمان بن الأشعث السجستاني، سنن أبي داود، باب الشركة، ج:3، ص:264، رقم الحديث:3385، الناشر : دار الكتاب العربي ـ بيروت

[60] الحاكم، الإمام الحافظ أبو عبد الله الحاكم النيسابوري، المستدرك على الصحيحين، كتاب البيوع ، لا يغلق الرهن له غنمه وعليه غرمه، ج:2، ص:52، رقم الحديث:2335، الناشر: دار المعرفة – بيروت – لبنان

[61] البيهقي، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الشركة ، باب الأمانة في الشركة وترك الخيانة، ج:6، ص:78، رقم الحديث:11541 الناشر : مجلس دائرة المعارف العمانية بحيدر آباد الدكن – الهند، الطبعة: الأولى 1352 : 1355هـ

[62] ابن الملقن، سراج الدين أبو حفص عمر بن علي بن أحمد، البدر المنير في تخريج الأحاديث والأثار الواقعة في الشرح الكبير، كتاب الشركة، ج:6، ص:721، الناشر: دار الهجرة للنشر والتوزيع – الرياض–السعودية

[63] أيضا، ج:6، ص:722

[64] علامه عبد المحسن العباد، شرح سنن أبي داود، ج:17، ص:452

میں کسی قسم کا غرر یا ممنوع عنصر شامل نہ کیا جائے۔

مذکورہ حدیث شرکت کے جواز کے باب میں ایک روشن نص کی حیثیت رکھتی ہے۔

دوسری حدیث:

"عن أبي حيان التيمي عن أبيه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : يد الله على الشريكين ما لم يخن أحدهما صاحبه فإذا خان أحدهما صاحبه رفعها عنهما"[65]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ (یعنی مدد و برکت) دو شریکوں پر رہتا ہے، جب تک کہ ان میں سے کوئی دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرے، لیکن جب ایک دوسرے کے ساتھ خیانت کرتے ہے تو اللہ اُن سے (اپنی مدد و برکت) ہٹا لیتا ہے۔

یعنی رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں شراکت داری (Partnership) کے ایک اہم اصول کی وضاحت فرمائی ہے۔ حدیث میں "یدُ اللہ "(اللہ کا ہاتھ) سے مراد اللہ کی مدد، برکت اور حفاظت ہے جب دو لوگ دیانت داری اور باہمی اعتماد کے ساتھ شراکت (Partnership) کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی شراکت میں برکت اور مدد عطا فرماتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ دیانت داری سے کام کریں گے، ان کی تجارت یا شراکت میں خیر و برکت رہے گی۔ چنانچہ جب شراکت میں کوئی شریک خیانت کرے تو اللہ تعالیٰ اس شراکت سے اپنی تائید و برکت کو سلب فرما لیتے ہیں، جس کا اثر نقصان، تنازع اور خرابی کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

یہ حدیث بھی شرکت کے جواز پر واضح اور صریح دلیل فراہم کرتی ہے

تیسری حدیث:

"عن السائب قال أتيت النبى –صلى الله عليه وسلم– فجعلوا يثنون على ويذكرونى فقال رسول الله –صلى الله عليه وسلم– « أنا أعلمكم » يعنى به. قلت صدقت بأبى أنت وأمى كنت شريكى فنعم الشريك كنت لا تدارى ولا تمارى"[66]

---

[65] الدارقطني، علي بن عمر أبو الحسن، سنن الدارقطني،كتاب البيوع،ج:3،ص:35، رقم الحديث:140، الناشر : دار المعرفة – بيروت ، 1386ھ

[66] سنن أبي داود،كتاب الأدب ،باب فى كراهية المراء،ج:4،ص:408،رقم الحديث: 4838

ترجمہ: السائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، تو لوگوں نے میری تعریف کرنا اور میرے بارے میں اچھی باتیں کہنا شروع کر دیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا": میں تم سب سے زیادہ اسے جانتا ہوں، جس پر السائبؓ نے تصدیق کرتے ہوئے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ میرے شریک تھے، اور آپ بہترین شریک تھے، نہ آپ جھگڑتے تھے اور نہ دھوکہ دیتے تھے۔

التخريج:

أخرجه الحاكم في "مستدركه"[67]، والبيهقي في "سننه الكبير"[68]،وابن ماجه في "سننه"[69].

الحكم على الحديث:

عند أبي حاتم الرازي:عبد الله بن السائب ليس بالقديم وكان على عهد النبي صلى الله عليه وسلم حدث والشركة بأبيه أشبه والله أعلم[70]. وهذا اضطراب لا يثبت به شيء ولا تقوم به حجة.[71]

علامہ محمد بن اسماعیل الامیر الکحلانی الصنعانیؒ نے شرکت کے ثبوت کے متعلق لکھا ہے:

"كنت شريكي في الجاهلية والحديث دليل على أن الشركة كانت ثابتة قبل الإسلام ثم قررها الشرع على ما كانت"[72]

ترجمہ: "كنت شريكي في الجاهلية" حدیث کے یہ الفاظ اس بات پر دلالت کر رہے ہے کہ شرکت قبل الاسلام بھی درست تھی، پھر شریعت نے اس کو برقرار رکھا جس طرح شرکت پہلے ہوا کرتی تھی۔

لہٰذا یہ حدیث بھی شرکت پر صریح دلالت کر رہی ہے۔

---

[67]المستدرك على الصحيحين، كتاب البيوع ،باب الشركة في التجارة، ج:2،ص:61، رقم الحديث:2370

[68]السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الشركة ، باب الاشتراك في الأموال والهدايا، ج:6،ص:78، رقم الحديث:11539

[69]ابن ماجه، محمد بن يزيد أبو عبدالله القزويني، سنن ابن ماجه،كتاب التجارات، باب الشركة والمضاربة، الناشر : دار الفكر – بيروت، ج:2،ص:844،رقم الحديث:2287

[70]أبي حاتم، أبو محمد عبد الرحمن بن محمد بن إدريس ، علل الحديث لابن أبي حاتم،ج:1،ص:63

[71] البدر المنير في تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في الشرح الكبير،كتاب الشركة،ج:6،ص:724

[72] محمد بن إسماعيل الأمير الكحلاني الصنعاني، سبل السلام،باب الشركة والوكالة، الناشر : مكتبة مصطفى البابي الحلبي، الطبعة : الرابعة 1379هـ/ 1960م، ج:3،ص:64

۳۔اجماع:

"اتفاق مجتهدي العصر من هذه الأمة على أمر ديني"[73]

اجماع سے مراد یہ ہے کہ کسی دینی یا فقہی مسئلے پر تمام مسلم علماء اور مجتہدین کا اتفاقِ رائے ہونا، جس کے بعد وہ مسئلہ امت میں مسلمہ حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

شرکت کے جواز پر فقہاء کرامؒ کا بھی اجماع ہے، جیسا کہ علامہ ابن قدامہؒ نے اپنی کتاب میں اس حوالے سے عبارت نقل کی ہے:

" وأجمع المسلمون على جواز الشركة في الجملة وإنما اختلفوا في أنواع منها"[74]

یعنی کہ تمام مسلم فقہاء اس بات پر متفق ہے کہ شراکت (Partnership) اصولی طور پر جائز ہے، کیونکہ یہ ایک مالی معاملہ ہے جو طرفین کی رضامندی اور انصاف کے اصولوں کے مطابق ہوتا ہے۔ البتہ فقہاء کے درمیان شراکت کی مختلف اقسام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اس طرح علامہ وہبۃ الزحیلی نے اپنی کتاب " الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ" نے بھی اس کے متعلق عبارت نقل کی ہے:

" والمسلمون أجمعوا على جواز الشركة في الجملة،وإنما اختلفوا في أنواع منها"[75]

یعنی کہ تمام اہل علم کا ایک ساتھ شرکت کے جواز پر اجماع ہے، البتہ اس کے بعض اقسام میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہیں۔

۴۔قیاس:

"إثبات مثل حكم معلوم لمعلوم آخر لأجل اشتباههما في علة الحكم عند المثبت"[76]

قیاس وہ شرعی دلیل ہے جس میں کسی غیر منصوص (جس پر براہِ راست نص موجود نہ ہو) مسئلے پر کسی منصوص (جس پر قرآن وحدیث میں واضح حکم موجود ہو) مسئلے کے حکم کو اس کی علتِ مشترکہ کی بنیاد پر ثابت کیا جاتا ہے۔

---

[73] الطوفي، سليمان بن عبد القوي بن الكريم، شرح مختصر الروضة،باب الاجماع، الناشر : مؤسسة الرسالة، الطبعة : الأولى ، ١٤٠٧ هـ،ج:3،ص:6

[74] المغني – ابن قدامة،ج:5،ص:109

[75] الفقه الاسلامي وأدلته،ج:5،ص:523

[76] الرازي، أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي، المحصول،باب القياس، الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة: الثالثة، ١٤١٨ هـ،ج:5،ص:11

علامہ کاسانیؒ شرکت کے دو قسموں (شرکت الاعمال، اور الوجوہ) قیاس سے دلیل یوں پیش کرتے ہے:

" ولأنهما يشتملان على الوكالة والوكالة جائزة، والمشتمل على الجائز جائز"[77]

یعنی کے شرکت الاعمال اور الوجوہ یہ دونوں قسمیں وکالت پر مشتمل ہے، یعنی کہ ہر پارٹی ایک دوسرے کی طرف سے وکیل ہوتی ہے اور وکالت بذات خود جائز ہے۔ جب ایک چیز ایک ایسی چیز پر مشتمل ہو جو کے جائز ہو تو اس چیز کا بھی جائز ہونا بنتا ہے۔

اس عبارت سے ہمارا استدلال کچھ یوں ہے کہ شرکت بذات خود مرکب ہے دو چیزوں کا ایک ہے بیع اور دوسرا ہے وکالت، بیع پر اس کے لوگ کسی چیز کی خرید وفروخت پر شرکت کر لیتے ہے اور وکالت پر اس طرح کہ اسی خرید اور فروخت میں دونوں پاٹنر ایک دوسرے کے وکیل ہوتے ہیں، لہٰذا جب یہ دونوں چیزیں بذات خود جائز ہیں، اور شرکت ان دونوں چیزوں پر مشتمل ہیں تو شرکت بھی جائز ہوئی۔

چنانچہ کسی چیز کا جائز چیزوں پر مشتمل ہونا، اس چیز کی جائز ہونے کی علامت ہے۔

شرکت اباحت کی مشروعیت:

قرآن اور حدیث دونوں میں مشترکہ عوامی ملکیت (شرکت اباحت) کے جواز پر بھی دلائل موجود ہیں:

قرآن:

پہلی آیت:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾[78]

ترجمہ: وہی اللہ ہے جس نے زمین میں موجود ہر چیز کو تمہارے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے۔

یعنی کے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور اس کے وسائل عام انسانوں کے لیے بنائے گئے ہیں، اور ابتدائی طور پر ان پر کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی، بلکہ یہ سب کے لیے مشترک (مباح) ہیں۔

سورۃ البقرہ کی یہ آیت شرکتِ اباحت کے تصور کو بخوبی واضح کرتی ہے۔ اس آیت میں "لَکُم " (تمہارے لیے) کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ زمین اور اس کے تمام وسائل تمام انسانوں کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور ان پر ابتداءً کسی فرد یا قوم کی مخصوص

---

[77] الكاساني، علاء الدين أبو بكر بن مسعود بن أحمد، بدائع الصنائع، الناشر: دار الكتب العلمية، الطبعة: الثانية، 1406هـ - 1986م ج:6، ص:58

[78] البقرة: 29

ملکیت نہیں ہوتی، بلکہ یہ چیزیں تمام انسانوں کے درمیان مشترک ہوتی ہیں اور ہر کوئی اپنی ضرورت کے مطابق ان سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

دوسری آیت:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾[79]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے لیے مسخر کر دیا اور اپنی جانب سے تمہیں وہ سب کچھ سکھا دیا، جو تمہارے نفع کے لیے ضروری ہے۔ بے شک اس میں اہلِ عقل کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

یعنی کہ یہ آیت بیان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز کو انسانی نفع و بھلائی کے لیے بنایا گیا ہے۔ یعنی جو کچھ بھی ہم دیکھتے ہیں، وہ سب اللہ کی قدرت اور حکمت کا ثبوت ہے۔ اس میں موجود نظامِ کائنات، قدرتی مظاہر اور وسائل اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ خالق ہر چیز پر مکمل اختیار رکھتا ہے۔ یہ نشانیاں اُن لوگوں کے لیے ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں اور اس غور و فکر کا حاصل یہ ہے کہ انسان اللہ کی عظمت، اس کی رحمت اور اس کی حکمت کو پہچان سکیں اور اسی کے احکامات پر عمل پیرا ہوں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا کہ زمین اور آسمان میں موجود تمام اشیاء "لَكُمْ" (تمہارے لیے) مسخر کر دی گئی ہیں، یعنی یہ سب انسانوں کے فائدے کے لیے بنائی گئی ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی پیدا کردہ نعمتیں ابتداءً کسی فردِ واحد یا مخصوص قوم کی ملکیت میں نہیں، بلکہ تمام انسانوں کے لیے عام اور مباح ہیں۔ یہی مشترکہ عوامی ملکیت کی اساس ہے کہ قدرتی نعمتیں مثلاً پانی، ہوا، زمین اور معدنیات، کسی ایک فرد یا گروہ کی ملکیت نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے برابر طور پر دستیاب اور قابلِ استفادہ ہیں اور ہر کوئی ان سے اپنی ضرورت کے مطابق استفادہ کر سکتا ہے، جب تک کہ کوئی شرعی ممانعت نہ ہو۔

تیسری آیت:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾[80]

ترجمہ: تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے، تاکہ تمہارے اور مسافروں کے لیے فائدہ ہو۔

---

[79] الجاثية: 13

[80] المائدة: 96

یعنی کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے "أُحِلَّ لَكُمْ "(تمہارے لیے حلال کر دیا گیا) کے الفاظ استعمال کیے، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ سمندری شکار اور اس سے حاصل ہونے والی خوراک کا استعمال تمام انسانیت کے لیے حلال اور عمومی طور پر قابلِ استفادہ قرار دیا گیا ہے جو کسی خاص فرد یا گروہ کی ملکیت میں نہیں۔ مزید یہ کہ "مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ "(یہ تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے ہے) سے معلوم ہوتا ہے کہ سمندری نعمتیں عام انسانوں اور مسافروں کے لیے بلا تخصیص حلال اور قابلِ استفادہ ہیں۔

یہ آیت بھی مشترکہ عوامی ملکیت کے اصول کو تقویت دیتی ہے، اس لیے کہ بحری مخلوقات اور ان سے حاصل شدہ غذائی اجناس کو شریعت نے تمام انسانوں کے لیے حلال اور مباح قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پانی میں پائی جانے والی مخلوقات اور ان سے حاصل شدہ غذائی اشیاء فطری طور پر مشاع اور مباح ہیں، اور کوئی بھی شخص انہیں استعمال کر سکتا ہے، جب تک کہ وہ کسی شرعی ضابطے کی خلاف ورزی نہ کرے۔

چنانچہ مشترکہ عوامی ملکیت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ قدرتی اور عام اشیاء، جیسے پانی، ہوا، چراگاہیں اور دیگر وسائل، انسانی فطرت و ضرورت کے پیشِ نظر سب کے لیے بلا امتیاز دستیاب ہیں اور ہر فرد کو ان سے فائدہ اٹھانے کا مساوی حق حاصل ہے۔ تاہم، اگر کوئی شخص کسی مباح چیز پر قبضہ یا محنت کے ذریعے شرعی اصولوں کے مطابق تصرف حاصل کرے، تو وہ شے اس کی ذاتی ملکیت بن سکتی ہے۔ باوجود اس کے، اس نوع کی اشیاء کا اصل حکم اباحت اور عمومِ نفع پر ہی قائم رہتا ہے۔

علامہ شمس الدین قرطبیؒ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

انسان کے لیے نفع بخش تمام اشیاء کی اصل حیثیت جواز و اباحت پر مبنی ہے، الا یہ کہ کوئی صریح دلیل ان کے منع یا حرمت پر دلالت کرے۔ اس طرح اس رائے کے حامیوں نے سورۃ الجاثیہ کی اس آیت ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مِنْهُ﴾ سے دلیل لی ہے جیسے دیگر نصوص سے دلیل لی ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو انسانوں کے لیے مسخر کر دیا ہے، تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ وہ انسان کے فائدے کے لیے مباح ہوں، جب تک کہ ان کے حرام ہونے کی کوئی خاص دلیل نہ ملے۔

اس رائے کی مزید تائید اس دلیل سے کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف انواع و اقسام کی لذیذ اور مفید غذائیں پیدا فرمائیں، حالانکہ وہ ان کو پیدا نہ بھی کر سکتا تھا۔ یہ تخلیق عبث (بے مقصد) نہیں ہو سکتی، بلکہ ان کا مقصد انسانوں کو فائدہ پہنچانا ہے اور چونکہ اللہ

تعالیٰ اپنی ذات میں بے نیاز ہے، اس لیے ان چیزوں کا فائدہ لازمی طور پر انسانوں ہی کے لیے ہوگا پس اصولِ شریعت کی رو سے تمام اشیاء فی الاصل مباح و جائز تصور کی جاتی ہیں، جب تک کہ کوئی قطعی نص یا شرعی دلیل ان کی ممانعت پر دلالت نہ کرے۔[81]

حدیث:

مشترکہ عوامی ملکیت (شرکت اباحت) کے ثبوت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احادیث مبارکہ بھی موجود ہیں:

پہلی حدیث:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں: چراگاہ (گھاس/جنگلی نباتات)، پانی اور آگ۔[82]

التخريج:

"والبيهقي في "سننه الكبير"[83].وابن أبي شيبة في "مصنفه"[84].

الحكم على الحديث:

قال أبي هذا الرجل من أهل الشام هو عندي بقية وأبو عثمان هو عندي حريز بن عثمان وأبو خداش لم يدرك النبي ﷺ إنما حكى عن رجل من أصحاب النبي ﷺ كذلك حدثنا أبو اليمان وعلي بن الجعد عن حريز كما وصفت وإنما لم يسمه أبو إسحاق لأنه كان حيا في ذلك الوقت[85].أبو خداش لم يدرك النبي ﷺ[86]

مشترکہ عوامی ملکیت کی بنیاد اصل میں اس حدیث پر ہے، جس کا مفہوم یہ ہے تمام مسلمان تین چیزوں میں یعنی گھاس، پانی اور آگ میں مشترک ہیں اور اس سے جس طرح چاہے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں، کسی کو کوئی اختیار نہیں کہ ان چیزوں سے فائدہ حاصل

---

[81] شمس الدين القرطبي، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي، الجامع لأحكام القرآن، الناشر : دار عالم الكتب، الرياض، المملكة العربية السعودية، الطبعة : 1423 هـ/ 2003 م، ج:1،ص251

[82] سنن أبی داود، کتاب الاجارة، باب فی منع الماء، رقم الحديث:3479، ج:3، ص:295

[83] السنن الكبرى للبيهقي، كتاب إحياء الموات ، باب ما لا يجوز إقطاعه من المعادن الظاهرة، ج:6، ص:150

[84] أبي شيبة، أبو بكر عبد الله بن محمد، مُصنف ابن أبي شيبة، باب حمى الكلأ وبيعه، الناشر: دار كنوز إشبيليا للنشر والتوزيع، الرياض – السعودية، ج:7، ص:304، رقم الحديث:23655

[85] علل الحديث لابن أبي حاتم، ج:1، ص:362

[86] ابن حجر العسقلاني، أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد، التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير، كتاب احياء الموات، الناشر : دار الكتب العلمية، الطبعة : الطبعة الأولى 1419هـ، ج:3، ص:154

کرنے والے کو منع کرے۔اس طرح یہ اصول اسلامی شریعت میں اس بنیادی تصور کو واضح کرتا ہے کہ کچھ اشیاء فطری طور پر تمام انسانوں کے لیے مباح (مشترک) ہیں،اور ان سے استفادہ کرنے کا حق ہر ایک کو حاصل ہے۔ پانی ایک بنیادی ضرورت ہے، جو ہر انسان کو دستیاب ہونی چاہیے،اسی طرح چراگاہیں اور جنگلی نباتات بھی عام استعمال کے لیے ہیں تاکہ جانوران سے چر سکیں۔اسی طرح آگ (یا اس کے ذرائع جیسے لکڑی اور ایندھن) بھی سب کے لیے دستیاب ہونی چاہیے تاکہ لوگ اپنی روزمرہ ضروریات، جیسے خوراک پکانے اور حرارت کی حاجت پوری کرنے کے لیے ان وسائل سے استفادہ ممکن کرسکے۔

دوسری حدیث:

"روي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم "أقطع بلال بن الحارث المزني معادن القبلية، وهي من ناحية الفرع، فتلك المعادن لا يؤخذ منها إلا الزكاة إلى اليوم".

ترجمہ: ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے کئی لوگوں سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث مزنی کو فرع کی طرف کے قبلیہ کے کان دیئے، توان کانوں سے آج تک زکاۃ کے سوا کچھ نہیں لیا جاتا رہا۔[87]

التخريج:

وأخرجه مالك في "الموطأ" عن ربيعة بن أبي عبد الرحمن، (بمثله).[88] وأخرجه البيهقي في "سننه الكبير" عن طريق أبي داود (بمثله).[89]

الحكم على الحديث:

قال الإمام الشافعي: ليس هذا مما يثبته أهل الحديث رواية، ولو أثبتوه لم يكن فيه رواية عن النبي ﷺ إلا إقطاعه.[90] وقال ابن عبد البر: في "التمهيد" وهذا حديث منقطع الإسناد لا يحتج بمثله أهل الحديث.[91] وقال النذري: هذا

---

87 سنن أبی داود،کتاب الخراج ،باب فی إقطاع الأرضين،رقم الحديث:3063،ج:3،ص: 138

88 امام مالك،موطأ،کتاب الذكاة – باب الزكاة في المعادن، الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت – لبنان،ج:1،ص:249

89 البيهقي،أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي،السنن الكبرى – البيهقي، كتاب إحياء الموات – باب ما جاء في إقطاع المعادن الباطنة، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان،ج:6،ص:250

90 إمام الشافعي،الأم، الناشر: دار الفكر – بيروت، الطبعة: الثانية ١٤٠٣ هـ - ١٩٨٣ م،ج:2،ص:46.

91 لابن عبد البر، أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد،التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد،الناشر: وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية – المغرب، عام النشر: ١٣٨٧ هـ ،ج:7،ص:33.

مرسل.[92]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معادنِ قبلیہ میں موجود معدنی وسائل کو انفرادی ملکیت میں دینے کے بجائے عمومی استفادے کے لیے چھوڑ دیا گیا، اور صرف زکوٰۃ کی ادائیگی کو لازم قرار دیا گیا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ان وسائل پر کسی فرد یا گروہ کی مخصوص ملکیت ثابت نہ تھی، بلکہ وہ مباحات عامہ کے تحت آتے تھے۔ چنانچہ اس روایت سے شرکتِ اباحت کا اصول یوں واضح ہوتا ہے کہ معدنی وسائل کی حیثیت عوامی ملکیت کی مانند تھی، جنہیں قبیلے کے لوگ شرعی حدود (مثلاً زکوٰۃ) کی پابندی کے ساتھ استعمال کر سکتے تھے، بغیر کسی انفرادی ملکیتی حق کے۔

تیسری حدیث:

ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جانور سے جو نقصان پہنچے اس کا کچھ بدلہ نہیں اور کنویں کا بھی یہی حال ہے اور کان کا بھی یہی حکم ہے اور رکاز میں سے پانچواں حصہ لیا جائے۔[93]

العجماء جبار:

اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی بے زبان جانور (مثلاً اونٹ یا بکری وغیرہ) کسی کو زخمی کرے یا نقصان پہنچائے، تو مالک پر کوئی جرمانہ (دیت) واجب نہیں ہے۔

البئر جبار:

اگر کسی کے کنویں میں گر کر کوئی شخص یا جانور ہلاک ہو جائے، تو اس پر بھی مالک پر کوئی ذمہ داری یا تاوان عائد نہیں ہوتا۔

المعدن جبار:

اگر کوئی شخص کسی کان (معدنیات کی جگہ) میں گر کر مر جائے، تو کان کے مالک پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

وفي الركاز الخمس:

زمین سے دفن شدہ خزانے (رکاز) پر پانچواں حصہ (خمس) ادا کیا جائے گا۔

---

[92] المنذري، الحافظ عبد العظيم بن عبد القوي، مختصر سنن أبي داود، الناشر: مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض، ج:2، ص:349 .

[93] البخاري، أبو عبد الله، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، باب في الركاز الخمس، الناشر: (دار ابن كثير، دار اليمامة) — دمشق، الطبعة: الخامسة، ١٤١٤ هـ - ١٩٩٣ م رقم الحديث:1428، ج:2، ص545

چنانچہ اس حدیث سے مشترکہ عوامی ملکیت کا اصول اس طرح سمجھ میں آتا ہے کہ حدیث میں معدن (کان) اور کنویں جیسے، وسائل پر کسی کی ذاتی ملکیت یا خاص قبضے کا ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ عام طور پر کنویں کو عوامی استعمال کے لیے کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے، جس سے لوگ آزادانہ طور پر کنویں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اس طرح معدنی وسائل کو بھی عام طور پر عوامی فلاح کے لیے کھلا چھوڑا دیا جاتا تھا، اور صرف شریعت کے مطابق زکوٰۃ یا خمس ادا کرنا واجب ہوتا تھا۔ اس طرح حدیث میں بیان کیا گیا کہ ان عوامی وسائل (کنواں، معدن) پر حادثاتی طور پر کسی کو نقصان پہنچے تو مالک یا دیکھ بھال کرنے والے پر کوئی تاوان یا ذمہ داری عائد نہیں ہو گی۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ وسائل عوامی ہیں اور ان کا استعمال آزادانہ کیا جا سکتا ہے۔

باب دوم: مشترکہ عوامی ملکیت سے متعلق فقہی مباحث اور پاکستان میں اس کی معاصر صورتوں کا جائزہ

فصل اول: مشترکہ عوامی ملکیت کی قدیم صورتیں اور متعلقہ شرعی احکام

فصل دوم: مشترکہ اشیاء سے متعلق تملیک کا ضابطہ اور پاکستان میں اس کی معاصر صورتیں

مبحث اول: مشترکہ اشیاء سے متعلق تملیک کا ضابطہ

مبحث دوم: پاکستان میں مشترکہ عوامی ملکیت کی جدید صورتیں

فصل اول: مشترکہ عوامی ملکیت کی قدیم صورتیں اور متعلقہ شرعی احکام

فصل اول: مشترکہ عوامی ملکیت کی قدیم صورتیں اور متعلقہ شرعی احکام

ماقبل باب میں مشترکہ عوامی ملکیت کے متعلق قرآن وحدیث سے دلائل پیش کیے گئے، اس باب میں ان اشیاء کا تفصیلاً جائزہ پیش کیا جائے گا کہ مشترکہ عوامی ملکیت کے تحت کون کونسی چیزیں آسکتی ہیں، یعنی اس کا مفہوم یہ ہے کہ عوام الناس ان اشیاء کے استعمال میں برابر کے شریک ہیں جو مباح ہیں اور اصلاًوہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں، بلکہ جو شخص ان میں سے کسی چیز کو کسی برتن یا کسی اور طریقے سے سبقت لے جا کر حاصل کرے اور اس پر قبضہ کرلے تو وہ اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے، اور وہ چیز اس کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ اس چیز کو اپنے دیگر املاک کی طرح کسی بھی طریقے سے دوسروں کو منتقل کرسکتا ہے، خواہ بیع (خرید وفروخت)، ہبہ (تحفہ)، یاوراثت کے ذریعے ہوں، وہ اس چیز کو وہ اپنی دیگر ملکیت کی طرح آزادانہ طور پر استعمال کرسکتا ہے۔

مشترکہ عوامی ملکیت ان چیزوں پر مشتمل ہے جو تمام لوگ مشترکہ طور پر استعمال کرتے ہیں اور شریعت نے ان کے استعمال یا تصرف کی اجازت دی ہے، جیسے پانی، ہوا، چراگاہیں وغیرہ، جنہیں عوام اپنی ضروریات کے مطابق استعمال یا خرچ کرسکتے ہیں۔

چنانچہ مشترکہ عوامی ملکیت کی قدیم صورتیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ صید

۲۔ پانی

۳۔ گھاس

۴۔ آگ

۵۔ معادن

۱۔ صید:

علامہ راغب الصفہانیؒ نے لفظ "صید" کی لغوی تعریف ان الفاظ سے کی ہے:

"الصَّيْدُ :مصدرُ صَادَ، وهو تناول ما يظفر به ممّا كان ممتنعا"[94]

---

[94] الراغب الأصفهانى، أبو القاسم الحسين بن محمد، المفردات في غريب القرآن،كتاب الصاد، الناشر: دار القلم، الدار الشامية - دمشق بيروت، الطبعة: الأولى - ١٤١٢ هـ،ص:496

لفظ "الصید" لغت میں "صاد یصید" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں ایسی چیز کا شکار کرنا یا حاصل کرنا جو خود کو بچانے کی کوشش کرے یا آسانی سے قابو میں نہ آئے۔

اس طرح علامہ عبدالرؤف المناویؒ نے "صید" کی لغوی تعریف کچھ یوں کی ہے:

"الصيد :ما امتنع بجناحه أو بقوائمه مأكولا أو غيره، ولا يؤخذ إلا بحيلة"[95]

یعنی کہ الصید سے مراد وہ جاندار ہے جو اپنے پروں یا ٹانگوں کے ذریعے بچنے کی کوشش کرے، چاہے وہ کھانے کے قابل ہو یا نہ ہو، اور جیسے کسی تدبیر یا چالاکی سے پکڑا جائے۔

شرعی لحاظ سے "الصید " کی تعریف علامہ راغب اصفہانیؒ نے اپنی معروف کتاب "المفردات في غريب القرآن " میں ان الفاظ میں کی ہے:

"وفي الشرع :تناول الحيوانات الممتنعة ما لم يكن مملوكا، والمتناول منه ما كان حلالا"[96]

یعنی کہ شریعت کی رو سے ایسے جانوروں کا شکار کرنا جو قابو میں نہ آتے ہوں، جب تک کہ وہ کسی کی حق تصرف میں نہ ہوں، اور ان میں سے وہی کھانے کے لیے جائز ہوں جو حلال قرار دیے گئے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:

"اقتناصُ حيوانٍ، حلالٍ، مُتوحِّشٍ طبعًا، غير مملوك، ولا مقدور عليه"[97]

یعنی کہ کسی ایسے جانور کو شکار کرنا جو فطرتاً وحشی ہو، حلال ہو، کسی کی ملکیت میں نہ ہو، اور جس پر قابو نہ لایا جا سکے۔

مزید علامہ منصور بن یونس البہوتیؒ شکار کے جانور کے حوالے سے لکھتے ہے:

"حيوان مُقتنَص حلالٌ متوحِّشٌ طبعًا غيرُ مملوك، ولا مقدور عليه، فخرج الحرامُ كالذئبِ، والإنسيُّ كالإبل ولو توحَّشت، والمملوك والمقدورُ عليه لكسرِ شيء منه ونحوه"[98]

---

[95] المناوي القاهري، زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي بن زين العابدين الحدادي، التوقيف على مهمات التعاريف،باب الصاد، فصل الياء، الناشر: عالم الكتب ٣٨ عبد الخالق ثروت-القاهرة، الطبعة: الأولى، ١٤١٠هـ-١٩٩٠م، ص:220

[96] المفردات في غريب القرآن،كتاب الصاد،ص:496

[97] البهوتي الحنبلي، منصور بن يونس، كشاف القناع عن الإقناع،كتاب الصيد، الناشر: وزارة العدل في المملكة العربية السعودية، الطبعة: الأولى، (١٤٢١ - ١٤٢٩ هـ) = (٢٠٠٠ - ٢٠٠٨ م)،ج:14،ص:343

[98] كشاف القناع عن الإقناع،كتاب الصيد، ج:14،ص:343

یعنی کہ شکار کیا گیا جانور وہ ہوتا ہے جو حلال ہو، فطرتاً وحشی ہو، کسی کی ملکیت میں نہ ہو، اور جسے براہِ راست قابو میں نہ لایا جا سکتا ہو۔ لہذا اس تعریف سے وہ جانور خارج ہو گئے جو حرام ہیں، جیسے بھیڑیا، یا وہ جو اصل میں پالتو ہوں، جیسے اونٹ، چاہے وہ وحشی بھی ہو جائیں۔ اسی طرح وہ جانور بھی اس میں شامل نہیں جو کسی کی ملکیت میں ہو یا جسے آسانی سے قابو میں لایا جا سکتا ہو، جیسے کسی کا کوئی عضو توڑ کر یا کسی اور طریقے سے اسے قابو میں کر لینا۔

چنانچہ شکار ایک مباح عمل ہے، جس کا حق شریعت نے ہر فرد کو بلا امتیاز عطا کیا ہے۔ پس اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی زمین میں یا ایسی بیابان جگہ (صحرا) میں شکار کرے جو کسی کی خصوصی ملکیت میں نہ ہو تو جو شکار وہ کرے گا، وہ اسی کی ملکیت سمجھی جائے گی۔ اس شکار پر نہ تو زمین کے مالک کا کوئی حق ہو گا اور نہ ہی اس بیابان علاقے کے نگران یا حکومت کو اس شکار پر کوئی اعتراض یا حق جتانے کا اختیار ہو گا، لہذا شکار کے جانور (مثلاً ہرن، خرگوش، پرندے) اپنی فطری حالت میں آزاد ہوتے ہیں اور کسی فرد یا گروہ کی ملکیت میں نہیں ہوتے۔ جو بھی سبقت لے کر کسی جانور کا شکار کر لیتا ہے اور اسے قابو میں لے آتا ہے، تب وہ اس چیز کا مالک قرار پاتا ہے۔

شکار کا حکم:

شکار کا اصل حکم مباح ہے۔ اسی اباحت پر قرآن وحدیث اور اجماع سے بھی دلائل موجود ہیں:

پہلی دلیل قرآن سے:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَكُمْ﴾[99]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سمندری شکار اور اس سے حاصل ہونے والی خوراک کو تمہارے لیے حلال اور جائز قرار دیا ہے تاکہ تم اس سے فائدہ اٹھا سکو۔ یہ آیت اس بات کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہے کہ شکار، خصوصاً سمندری شکار، نہ صرف حلال بلکہ جائز بھی ہے، اور اسے رزق کے طور پر حاصل کرنا ایک مشروع عمل ہے۔ اس سے یہ اصول بھی نکلتا ہے کہ شکار ایک مباح (جائز) عمل ہے جس کا حق ہر فرد کو دیا گیا ہے اور یہ اللہ کی طرف سے ایک عظیم نعمت ہے جسے تمام انسانوں کے لیے کھلا رکھا گیا ہے

---

[99] المائدة: 96

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾[100]

اس کا مفہوم یہ ہے:

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ کہہ دیجیے کہ تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں، اور وہ شکار بھی جو تمہارے سدھائے ہوئے شکاری جانور پکڑیں، جنہیں تم اللہ کی تعلیم کے مطابق تربیت دیتے ہو، تو جو شکار وہ تمہارے لیے روک کر لائیں، اسے کھاؤ۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شکاری جانوروں کے ذریعے شکار کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ سدھائے ہوئے ہوں اور شکار کو صرف تمہارے لیے روک کر رکھیں، نہ کہ خود کھا لیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شکار ایک مشروع (جائز) عمل ہے اور اس کا گوشت کھانا حلال ہے، جب وہ شریعت اصولوں کے مطابق پکڑا یا مارا جائے۔

دوسری دلیل حدیث سے:

" عن عدي بن حاتم قال سألت النبي ؟ فقال إذا أرسلت كلبك المعلم فقتل فكل وإذا أكل فلا تأكل فإنما أمسكه على نفسه قلت أرسل كلبي فأجد معه كلبا آخر قال فلا تأكل فإنما سميت على كلبك ولم تسم على كلب آخر ».[101]"

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکاری کتے کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنا سدھایا ہوا کتا اللہ کا نام لے کر شکار پر چھوڑو اور وہ شکار کو پکڑ لے، تو تم اس کا گوشت کھا سکتے ہو۔ البتہ اگر وہ کتا خود اس شکار سے کھانے لگے، تو پھر اسے مت کھاؤ، کیونکہ وہ شکار اس نے اپنے لیے کیا ہے، تمہارے لیے نہیں۔ عدی بن حاتمؓ نے عرض کیا: کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میں اپنا شکاری کتا چھوڑتا ہوں، مگر وہاں جا کر ایک اور کتا بھی موجود پاتا ہوں۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ایسی صورت میں شکار نہ کھاؤ، کیونکہ تم نے اللہ کا نام اپنے کتے پر لیا تھا، دوسرے پر نہیں۔

---

[100] المائدة: 4

[101] صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب إذا شرب الكلب في إناء أحدكم فليغسله سبعا، رقم الحديث: 175، ج: 1، ص: 90

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ سدھائے ہوئے جانور کے ذریعے شکار کرنا جائز ہے، بشر طیکہ شکار پر اللہ کا نام لیا جائے۔

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"ما أنهر الدم وذكر اسم الله عليه فكلوا ليس السن والظفر"[102]

ترجمہ: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا" : ہر وہ جانور جسے اس طریقے سے ذبح کیا جائے کہ خون بہہ جائے، اور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو، تو اسے کھانے میں کوئی قباحت نہیں۔

اس حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شکار کرنے کے لیے ایسا ہتھیار استعمال کرنا چاہیے جو خون بہادے، اور شکار کو حلال کرنے کے لیے اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔

تیسری دلیل اجماع:

علامہ ابن قدامہؒ نے اس حوالے سے یہ لکھا ہے:

"وأجمع أهل العلم على إباحة الإصطياد والأكل من الصيد"[103]

اہلِ علم کے نزدیک یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ شکار کرنا اور شکار کا گوشت کھانا جائز ہے۔

اس طرح علامہ ابن قطانؒ نے اس حوالے سے عبارت نقل کی ہے:

"وللحلال أن يصطاد الصيد حيث وجده إلا أن يكون في الحرم لمنع الله تعالى وجل منه في ذلك الموضع باتفاق الجميع"[104]

یعنی کہ حلال (مسلمان) کے لیے جہاں بھی شکار ملے اسے شکار کرنا جائز ہے، سوائے حرم (مکہ و مدینہ) کے علاقے میں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ میں شکار کو منع فرمایا ہے، اور اس پر سب علماء کا اتفاق ہیں۔

اس طرح علامہ نویؒ شرح المسلم میں ذکر کرتے ہے:

---

[102] صحيح البخاري، كتاب الشركة، باب من عدل عشرا (عشرة) من الغنم بجزور، رقم الحديث: 2507، ج:1، ص:315

[103] المغني – ابن قدامة، مسألة في إرسال الكلب المعلم وشروط إرسال الجارح، ج:11، ص:4

[104] أبو الحسن ابن القطان، علي بن محمد بن عبد الملك الكتامي الحميري الفاسي، الإقناع في مسائل الإجماع، كتاب الصيد والذبائح، الناشر: الفاروق الحديثة للطباعة والنشر، الطبعة: الأولى، ١٤٢٤ هـ - ٢٠٠٤ م، ج:1، ص:312

"وقد أجمع المسلمون عليه وتظاهرت عليه دلائل الكتاب والسنة والإجماع قال القاضي عياض هو مباح لمن اصطاد للاكتساب والحاجة والانتفاع به بالأكل وثمنه"[105]

یعنی امتِ مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے، اور قرآن، سنت اور اجماع س کی تائید کرتے ہیں۔"کہ شکار کرنا جائز (مباح) ہے، بشر طیکہ اسے کسی جائز مقصد کے لیے کیا جائے۔ علامہ قاضی عیاضؒ کے نزدیک، شکار کرنا اس صورت میں جائز ہے جب اسے روزی کمانے، ضرورت پوری کرنے یا اس سے کھانے یا فروخت کرنے کے لیے فائدہ اٹھانے کی نیت سے کیا جائے۔

شکار کی شرائط:

شکار کا کھانا تقریباً پندرہ شرائط کے ساتھ مشروط ہیں، جس کو علماء کرام نے تین قسم کی شرائط میں منقسم کر دیا ہیں:

1۔الصائد یعنی شکار کرنے والے کے لیے شرائط

2۔کلب معلم کے شرائط

3۔الصید یعنی شکار کے شرائط

1۔الصائد یعنی شکار کرنے والے کے لیے شرائط

صائد یعنی شکار کرنے والے کی پانچ شرائط ہیں:

ا۔ینبغي أن يكون الصياد من أهل الذكاة، وذلك بأن يعقل الذبح والتسمية حتى لا يؤكل صيد الصبي والمجنون إذا كانا لا يعقلان الذبح والتسمية، وأن يكون له ملة التوحيد دعوى واعتقادا كالمسلم أو دعوى لا اعتقادا كالكتابي كذا في الظهيرية۔[106]

یعنی کہ شکاری کے لیے لازم ہے کہ کہ وہ ذبح کرنے اور بسم اللہ کہنے کا شعور رکھتا ہو۔اسی وجہ سے کسی ایسے بچے یا پاگل شخص کا شکار کھانا جائز نہیں جو ذبح اور اللہ کا نام لینے کا مطلب نہ سمجھتا ہو۔ شکار کرنے والے کا کسی توحیدی دین سے تعلق ہونا بھی ضروری ہے، چاہے وہ مسلمان ہو، یا اہلِ کتاب (یہودی یا عیسائی) ہو، چاہے وہ صرف زبانی دعویٰ کرے یا دل سے بھی اس پر ایمان رکھتا ہو۔

---

[105] النووي، أبو زكريا محيي الدين يحيى، المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج،باب الصيد بالكلاب المعلمة، الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت، الطبعة: الثانية، ١٣٩٢،ج:13،ص:73

[106] الفتاوى الهندية،الباب الثالث في شرائط الاصطياد، الناشر: دار الفكر، الطبعة: الثانية، 1310 هـ،ج:5،ص:422

۲۔"أن يكون الصائد مرسلا للكلب فلذلك إذا لم .... وجود الشرط"[107]

یعنی کہ شکار کرنے والے کا خود اپنے ہاتھ سے شکاری کتے کو چھوڑنا ضروری ہے۔ اگر کتا شکاری کے ہاتھ سے خود چھوٹ کر یا اپنی مرضی سے بھاگ کر شکار کرے اور اسے مار ڈالے، تو ایسا شکار کھانا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح وہ شکار بھی حلال نہیں جو کسی ایسے کتے نے پکڑا ہو جسے شکار پر بھیجنے کا حکم واضح طور پر نہ دیا گیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان صورتوں میں وہ بنیادی شرط پوری نہیں ہوتی جو شکار کے حلال ہونے کے لیے ضروری ہے۔

۳۔"وأن لا يشاركه في الإرسال من لا يحل صيده"[108]

یعنی کہ شکار کو جائز بنانے کے لیے ضروری ہے کہ شکاری جانور (کتا، باز وغیرہ) کو صرف وہی شخص چھوڑے جس کا شکار حلال ہو۔ اگر کسی ایسے شخص نے بھی شکار کے لیے جانور چھوڑا ہو، جس کا شکار کرنا جائز نہیں (جیسے کوئی مشرک یا مجوسی)، تو اس صورت میں شکار حلال نہیں ہو گا، کیونکہ اس میں حرام اور حلال کا اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔

۴۔"وأن لا يترك التسمية عامدا"[109]

یعنی کہ شکار کرنے والے پر لازم ہے کہ جب شکاری اپنا تربیت یافتہ جانور شکار پر روانہ کرے، تو اللہ کا نام لے کر تسمیہ یعنی "بسم اللہ " کہے۔ اگر وہ جان بوجھ کر شکار پر چھوڑنے کے وقت "بسم اللہ" کہنا چھوڑ دے، تو ایسا شکار کھانا جائز نہیں ہو گا۔ البتہ اگر شکاری نے شکار کے وقت "بسم اللہ" نہیں کہی اور بعد میں کتے کو دوبارہ آواز دے کر روکنے یا بھیجنے کی کوشش کی اور اس وقت "بسم اللہ" کہا، تو بھی شکار حلال نہیں ہو گا، کیونکہ اللہ کا نام لینا شکار چھوڑنے کے وقت ضروری ہے، لہذا بعد میں تسمیہ کہنے سے یہ شرط پوری نہیں ہوتی۔

۵۔"وأن لا يشتغل بين الإرسال والأخذ بعمل آخر"[110]

---

[107] دررالحكام في شرح مجلة الأحكام، ج:3،ص:299

[108] ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي، رد المحتار على الدر المختار،كتاب الصيد، الناشر: دار الفكر-بيروت، الطبعة: الثانية، 1412هـ - 1992م،ج:6،ص:462

[109] أيضا

[110] رد المحتار على الدر المختار،كتاب الصيد، ج:6،ص:462

یعنی شکار کے جواز کے لیے یہ شرط بھی ضروری ہے کہ شکار چھوڑنے (کتا یا باز چھوڑنے)اور شکار پکڑنے کے درمیان کوئی دوسرے کام میں مشغول نہ ہو، یعنی جیسے ہی شکاری جانور کو شکار کے لیے بھیجا جائے، وہ سیدھا شکار کرے۔

2۔کلب معلم کے شرائط

کلب معلم (یعنی وہ کتا جس کو شکار کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہو) کی بھی مزید پانچ شرائط ہیں:

۱۔"الكلب:أن يكون معلما"[111]

شکاری کتے کے ذریعے شکاری کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ شکاری کتا سدھایا گیا ہو، اگر اس کے بغیر کسی کتے نے شکار کیا تو وہ شکار حلال نہیں ہوگا۔

۲۔"وأن يذهب على سنن الإرسال"[112]

شکاری کتے کے ذریعے شکار کو حلال کرنے کے لیے یہ شرط بھی ضروری ہے کہ وہ اسی طریقے پر جائے جس پر اسے چھوڑا گیا ہو، یعنی شکار کا حلال ہونا اسی وقت ممکن ہے جب شکاری جانور کو صحیح طریقے سے بھیجا جائے اور وہ فوراً شکار کے پیچھے جائے، بغیر کسی اور کام میں مشغول ہوئے۔

۳۔"وأن لا يشاركه في الأخذ ما لا يحل صيده"[113]

یعنی کہ شکار کو جائز بنانے کے لیے ضروری ہے کہ شکاری جانور (کتا، باز وغیرہ) کو صرف وہی شخص چھوڑے جس کا شکار حلال ہو۔ اگر کسی ایسے شخص نے بھی شکار کے لیے جانور چھوڑا ہو، جس کا شکار کرنا جائز نہیں (جیسے کوئی مشرک یا مجوسی)، تو اس صورت میں شکار حلال نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں حرام اور حلال کا اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔

۴۔"أن يقتل الكلب الصيد بعد جرحه حتى يتحقق معنى الذكاة بالتطهير بإخراج الدم وقد أقيم الجرح مقام الذكاة سواء

---

[111] رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصيد، ج:6،ص:462

[112] ایضا

[113] ایضا

خرج من هذا الجرح دم أو لم يخرج وسواء كان الجرح كبيرا أو صغيرا لأن الدم لا يخرج أحيانا بسبب ضيق المنفذ أو بسبب كثافة الدم"[114]

یعنی اگر شکاری کتا شکار کو زخمی کرنے کے بعد مار ڈالے، تو اس عمل کو شرعی ذبح کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے، کیونکہ زخم کے ذریعے جسم سے خون نکلنے کا عمل طہارت کا ذریعہ بنتا ہے اسی طرح یہ زخم ذبح کے قائم مقام بنے گا چاہے اسی زخم سے خون باہر آجائے یا نہیں برابر ہے۔ خواہ زخم بڑا ہو یا چھوٹا، کیونکہ بعض اوقات خون یا تو تنگی کی وجہ سے باہر نہیں آتا یا اس کی گاڑھاپن رکاوٹ بن جاتی ہے۔

۵۔"أن لا يأكل الكلب شيئا من الصيد فإذا أكل الكلب .... كما أنه لو أكل الكلب من الصيد بعد أن تحقق أنه كلب معلم بترك الأكل ثلاث مرات فلا يؤكل هذا الصيد لكونه علامة على جهل الكلب"[115]

اگر شکاری کتا یا کوئی اور ایسا جانور جس کے ذریعے شکار کرنا جائز ہے، اگر شکاری جانور شکار سے کچھ کھالے، تو وہ شکار کسی بھی صورت میں حلال نہیں ہوگا، جیسا کہ اگر کتے کو سدھایا گیا ہو (یعنی اسے تین مرتبہ کھانے سے روکا گیا ہو) لیکن پھر بھی وہ شکار میں سے کچھ کھالے، تو وہ شکار شرعاً ناجائز ہوگا، اس لیے یہ اس بات کی علامت ہے کہ کتا درحقیقت صحیح معنوں میں سدھایا ہوا نہیں تھا۔

3۔الصید یعنی شکار کے شرائط

شکار کے بھی مزید پانچ شرائط ہیں:

ا۔"أن لا يكون الصيد من الحشرات والحشرات (بالفتحات) تطلق على الهوام كالعقرب والحية والذباب والفراشة والعلق والخنفساء لأنها من الخبائث"[116]

یعنی شکار کا جائز ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ شکار حشرات (کیڑے مکوڑوں) میں سے نہ ہو، جیسے بچھو، سانپ، مکھی، تتلی، جونک اور گھن؛ کیونکہ یہ سارے خبائث میں سے ہے اور اس کے متعلق اللہ تعالی کا ارشاد مبارک ہے:

---

114 درر الحكام في شرح مجلة الأحكام، ج:3،ص:299

115 أيضا

116 أيضا

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾[117]

ترجمہ: اوران کے لیے جو چیزیں پاک ہوں گی، وہ حلال اور جو ناپاک ہوں گی، وہ حرام قرار دے گا"۔

اس طرح اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابو بکر الجصاصؒ فرماتے ہے:

"وقال تعالى يا أيها الرسل كلوا من الطيبات يعني الحلال وقال ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث فجعل الطيبات في مقابلة الخبائث والخبائث هي المحرمات"[118]

یعنی اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پاکیزہ چیزوں سے مراد حلال چیزیں ہیں، اور ناپاک چیزوں سے مراد وہ چیزیں ہیں جو نقصان دہ اور حرام ہیں اس لیے طیبات کے مقابلے میں خبائث رکھا جو کے حرام ہے۔

چنانچہ شکار مشترکہ عوامی ملکیت کی ایک واضح مثال ہے، کیونکہ شکار کرنے کے لیے جو جنگلی جانور ہوتے ہیں، وہ اپنی اصل میں کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتے بلکہ مباح ہوتے ہیں، لہٰذا، جو بھی سبقت لے کر کسی جانور کو شکار کر لیتا ہے اور اسے قابو میں لے آتا ہے، وہ اس کا مالک بن جاتا ہے۔ اس لیے شریعت کے مطابق شکار تب تک کسی کی ملکیت نہیں بنتا جب تک اسے قابو میں نہ لے لیا جائے یا قتل نہ کر دیا جائے۔ یعنی محض دیکھنے یا تعاقب کرنے سے کسی کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور یہی اصول شرکتِ اباحت کے اس اصول کو مضبوطی فراہم کرتا ہے کہ ملکیت قبضے کے بعد ہی تسلیم کی جائے گی۔

۲۔ پانی

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ﴾[119]

ترجمہ: ہم نے ہر جاندار کو پانی سے بنایا ہے۔

یعنی کہ یہ آیت اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ تمام حیاتیاتی وجود کا انحصار پانی پر ہے۔ نباتات، حیوانات، اور انسانوں کی زندگی کے لیے پانی کی موجودگی لازمی ہے۔ قرآن کا یہ بیان سائنسی حقائق سے بھی ہم آہنگ ہے، اس لیے کہ جدید سائنسی تحقیق سے بھی یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ جانداروں کے جسم کا اکثر حصہ پانی پر مشتمل ہے۔

---

[117] الاعراف:157

[118] أبو بكر الجصاص، أحمد بن علي الرازي، أحكام القرآن، الناشر : دار إحياء التراث العربي - بيروت ، 1405،ج:3،ص:307

[119] الأنبياء: 30

اس طرح مختلف احادیث بھی پانی کی اہمیت کے حوالے سے وارد ہوئیں ہیں:

آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"أن رسول الله ؟قال لا يمنع فضل الماء ليمنع به الكلأ"[120]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بچے ہوئے پانی سے کسی کو اس لیے نہ روکا جائے کہ اس سے جو ضرورت سے زیادہ گھاس ہو وہ بھی رکی رہے۔

اس روایت کی شرح میں علامہ بدر الدین عینیؒ اپنی تصنیف "عمدۃ القاری" میں بیان فرماتے ہیں:

"وتأويل المنع عند مالك في (المدونة) وغيره معناه في آبار الماشية في الصحراء يحفرها المرء وبقربها كلأ مباح فإذا منع الماء اختص بالكلأ فأمر أن لا يمنع فضل الماء لئلا يكون مانعا للكلأ وقال القاضي في (إشرافه) في حافر البئر في الموات لا يجوز له منع ما زاد على قدر حاجته لغيره بغير عوض"[121]

یعنی کہ امام مالکؒ کے نزدیک پانی سے منع کرنے کا مطلب خاص طور پر ان کنوؤں (آبار) کے بارے میں ہے جو صحرا میں مویشیوں کے لیے کھودے جاتے ہیں۔اگر کوئی شخص کنواں کھودتا ہے اور اس کے قریب ایسی چراگاہ موجود ہو جو سب کے لیے مباح ہو، تو اگر وہ پانی سے دوسروں کو روک دے گا، تو درحقیقت وہ اس چراگاہ کو بھی اپنے لیے مخصوص کر لے گا۔

اس طرح قاضی نے اپنی "کتاب الِاشراف" میں یہ وضاحت کی ہے کہ جو شخص غیر آباد زمین (الموات) میں کنواں کھودے، وہ اپنی ضرورت سے زائد پانی کو بغیر کسی عوض کے دوسروں سے نہیں روک سکتا۔یعنی ضرورت سے زیادہ پانی دوسروں کو بھی استعمال کرنے دینا چاہیے۔

اسی طرح ایک اور جگہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"عن أبي هريرة عن النبي؟ قال ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة ولا ينظر إليهم رجل حلف على سلعة لقد أعطى بها أكثر مما أعطى وهو كاذب ورجل حلف على يمين كاذبة بعد العصر ليقتطع بها مال امرئ مسلم

[120] صحيح البخاري،كتاب المساقاة،باب من قال إن صاحب الماء أحق بالماء حتى يروى، رقم الحديث:2353،ج:1،ص:243

[121] العيني الحنفي،بدر الدين،عمدة القاري شرح صحيح البخاري،باب من قال إن صاحب الماء أحق بالماء حتى يروى، تاريخ التعديل : 19 ربيع الأول 1427 هـ،ج:19ص:16

ورجل منع فضل ماء فيقول الله يوم القيامة اليوم أمنعك فضلي كما منعت فضل ما لم تعمل يداك"[122]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے تین ایسے افراد کا ذکر فرمایا جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام فرمائے گا اور نہ ہی ان پر نظرِ رحمت ڈالے گا۔ان میں پہلا وہ شخص ہے جو جھوٹی قسم کھا کر کسی سامان کی قیمت میں دھوکہ دے،دوسرا وہ جو جھوٹ بول کر عصر کے بعد کسی مسلمان کا مال ناحق ہتھیانے کی کوشش کرے،اور تیسرا وہ شخص جو اپنی حاجت سے زائد پانی کو کسی ضرورت مند کو دینے سے روکے۔ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس طرح تُو نے میری پیدا کردہ نعمت سے بندوں کو محروم کیا،میں بھی تجھے اپنے فضل سے محروم رکھوں گا۔

اس حدیث سے بھی واضح طور پر پانی کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ دوسروں کو اپنے حاجت سے زیادہ پانی سے محروم کرنا ایک سخت گناہ ہے اور اس پر آخرت میں سخت مواخذہ ہے۔

اس طرح پانی کی اہمیت پر اس حدیث سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

" أن النبي صلى الله عليه وسلم مر بسعد وهو يتوضأ ، فقال : ما هذا السرف يا سعد ؟ قال : أفي الوضوء سرف ؟ قال : نعم ، وإن كنت على نهر جار."[123]

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کا گزر حضرت سعدؓ کے پاس سے ہوا جب وہ وضو کر رہے تھے،تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: اے سعد! یہ فضول خرچی کیوں؟ حضرت سعدؓ نے عرض کیا: 'یا رسول اللہ! کیا وضو میں بھی اسراف ہو سکتا ہے؟' آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں اگرچہ تم بہتی نہر پر ہی وضو کر رہے ہو۔

یہ حدیث اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اسلام پانی کو صرف ایک مادی وسیلہ نہیں،بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عظیم نعمت تصور کرتا ہے،اور اس کے استعمال میں توازن،میانہ روی اور فضول خرچی سے اجتناب کی تعلیم دیتا ہے جس کے نتیجے میں عبادت کے لیے پانی استعمال کرنے میں بھی اسراف سے منع کرتا ہے۔

---

[122] صحيح البخاري،كتاب التوحيد،باب قول الله تعالى [وجوه يومئذ ناضرة إلى ربها ناظرة]، رقم الحديث:7446

[123] أحمد بن حنبل، أبو عبد الله أحمد بن محمد، مسند أحمد بن حنبل،رقم الحديث:7065 الناشر : عالم الكتب – بيروت، الطبعة : الأولى ، 1419هـ. 1998

چونکہ پانی بھی شریعت کے نظر میں مباح عام ہے جو زندگی کی بقااور انسانی ضروریات کے لیے ناگزیر ہے۔ اسلامی تعلیمات میں پانی کو اس کی فطری حالت میں عوامی ملکیت کے طور پر رکھا گیا ہے تاکہ تمام لوگ بغیر کسی امتیاز کے اسے استعمال کر سکیں اور اسے اپنی ملکیت میں بھی لا سکے، لیکن یہاں دو امور کی وضاحت ضروری ہیں:

۱۔ پانی میں سب لوگوں، یعنی عوام الناس کی شراکت سے کیا مراد ہے؟

۲۔ پانی کی مختلف اقسام ہیں، یہاں کونسی قسم مراد ہے؟

۱۔ پانی میں شرکت کی قسمیں:

فقہاء نے پانی میں شرکت کے حوالے سے دو قسمیں بیان کی ہیں:

1۔ حق الشرب

2۔ حق الشفة

1۔ حق الشرب

حق الشرب کا لغوی تصور یہ ہے:

" الشرب بكسر الشين لغة الحصة من الماء الراكد أو الجاري للحيوان أو الجماعة"[124]

ترجمہ: شرب "شین" کے کسرے کے ساتھ لغتاً اس کا معنی ہے کہ کسی حیوان یا جماعت کے لیے جاری پانی میں سے یا ٹھہرے ہوے پانی سے پینے کا حصہ مقرر کرنا اس کو شرب کہتے ہے۔

شرب کا شرعی معنی یہ ہے:

"وشرعا :نوبة الانتفاع بالماء سقيا للزراعة والدواب"[125]

یعنی کہ شرب شرعاً کھیتی اور مویشیوں کی سیر ابی کے لیے پانی سے فائدہ اٹھانے کے باری کو کہتے ہے۔

[124] دررالحكام في شرح مجلة الأحكام،المادة 1262،ج:3،ص:268

[125] الحصكفی، محمد بن علی بن محمد علاؤ الدين، الدر المختار، فصل الشرب، الناشر دار الفكر، سنة النشر 1386،ج:6،ص:438

2۔ حق الشفۃ

پانی کی شرکت کی دوسری نوع حق الشفہ ہے۔ حق الشفہ سے مراد یہ ہے:

"حق شرب الماء لبني الإنسان وللحيوانات"[126]

یعنی کے انسانوں اور جانوروں کے لیے پانی پینے کا حق اس کو حق الشفہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فقہاء نے اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے بیان کیا ہے:

"فلذلك فحق الشفة أخص من الشرب وسببه أن الشفة مخصوص بالحيوان والشرب عام يشمل الحيوان والزرع. وإن يكن أنه يتبادر إلى الذهن أن حق الشفة هو حق شرب الماء لدفع العطش فقط إلا أن المقصود هنا هو استعمال الماء لدفع عطش بني الإنسان ولطبخ الطعام وللوضوء والاغتسال وغسل الثياب ولدفع عطش الحيوانات"[127]

یعنی کہ حق الشفہ یہ خاص ہے حق شرب سے اس کی وجہ یہ ہے کہ شفہ کا حق خاص ہے حیوان کے ساتھ اور جو شرب عام ہے وہ حیوان اور کھیتی دونوں کو شامل ہیں۔

اس کے علاوہ حق الشفہ سے عام طور پر لوگوں کا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ اس سے مراد صرف اور صرف پینے کا حق ہے، لیکن اس سے یہاں پانی کے استعمال کا وسیع تر حق مراد ہے، جو نہ صرف انسانوں کی پیاس بجھانے کے لیے بلکہ کھانے پکانے، وضو اور غسل کرنے، کپڑے دھونے اور جانوروں کی پیاس بجھانے کے لیے بھی شامل ہے۔

لہذا پانی میں شرکت کے یہ دو طریقے ہے، جس میں عوام الناس ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور پانی سے نفع حاصل کرتے ہے۔

۲۔ پانی کی قسمیں:

فقہاء کرامؒ نے پانی کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

---

[126] درر الحكام في شرح مجلة الأحكام، المادة 1262، ج:3، ص:268

[127] ایضا

پہلی قسم:

پہلی قسم پانی کی یہ ہے کہ جس میں سارے عوام الناس کو حق الشفہ اور شرب دونوں حاصل ہوتے ہیں، یعنی کہ اس سے ہر شخص کو پینے، پلانے زمین وغیرہ کو سیراب کرنے کا حق حاصل ہوتا ہیں۔ یہ پانی سمندروں، دریاؤں اوران نہروں کا پانی ہے جو غیر مملوکہ زمینوں میں واقع ہوں۔[128]

دوسری قسم:

دوسری قسم پانی کی یہ ہے جو لوگوں کی ذاتی ملکیت میں ہوں، یعنی کسی برتن میں جمع کیا گیا ہوں یاگھروں کی ٹنکیوں میں موجود ہوں یا کسی اور ذریعے سے پانی کو محفوظ کیا گیا ہوں۔ اس قسم کا پانی جو کسی کی ملکیت میں ہو تو اس سے اجازت کے بغیر فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوتا، البتہ مالک کی اجازت سے استعمال کر سکتے ہے اور اگر اضطراری حالت ہوں تو پھر مالک کے اجازت کے بغیر بقدر ضرورت استعمال کر سکتے ہے۔[129]

تیسری قسم:

پانی کی تیسری قسم سے مراد کنویں کا پانی، حوض، چشموں اور قناتوں کا پانی ہیں۔

اس کے متعلق علامہ شوکانیؒ نے لکھا ہے:

"وأما ماء الأنهار فقد تقدم أنه حق بالإجماع واختلف في ماء الآبار والعيون والكظائم فعند الشافعية والحنفية وأبي العباس وأبي طالب أنه حق لا ملك واستدلوا بأحاديث الباب.وقال الإمام يحيى والمؤيد بالله في أحد قوليه وبعض أصحاب الشافعي أنه ملك وقاسوه على الماء المحرز في الجرار ونحوها"[130]

لہذا پانی کی اس قسم میں فقہاء کرام کے دو اقوال موجود ہیں:

1۔ بعض شوافع کے نزدیک یہ بھی دوسری قسم کی طرح مملوک ہے۔

2۔ حنفیہ اور اکثر شافعیہ کے ہاں یہ پانی صرف حق ہے ملکیت نہیں ہے۔

---

[128] الشوكاني، محمد بن علي بن محمد، نيل الأوطار، باب النهي عن منع فضل الماء، الناشر : إدارة الطباعة المنيرية، ج:6،ص:36

[129] رد المحتار على الدر المختار، فصل الشرب، ج:6،ص:438

[130] نيل الأوطار، باب الناس شركاء في الثلاث وشرب الأرض العليا قبل السفلى إذا قل الماء أو اختلفوا فيه، ج:6،ص:38

چنانچہ حق ہونے کی وضاحت یہ ہے کہ جس شخص کا کنواں ،چشمہ ، یا قنات ہے وہ اس کے پانی کا سب سے زیادہ حقدار ہے، لیکن اس پر یہ بات لازم ہے اس سے بچا ہوا زیادہ پانی، یعنی اس کے ضرورت سے زیادہ پانی ہو تو مالک کو چاہیے کے زیادہ پانی لوگوں کو پینے کے لیے دے،اس طرح مالک کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ لوگوں کو اپنے زمین میں داخل ہونے سے منع کرے، لیکن اگر وہاں آس پاس کوئی اور پانی حاصل کرنے کا ذریعہ نہ ہو، تو مالک پر لازم ہے یا تو خود پانی اپنی زمین سے باہر نکال کے دے یا لوگوں کو اپنی زمین میں داخل ہونے کی اجازت دے۔اس طرح اگر مالک نہ خود پانی اپنی زمین سے باہر لے جا کر لوگوں کو پلاتا ہے اور نہ لوگوں کو اجازت دیتا ہے تو لوگ جبراً اس کی اجازت کے بغیر اس کی زمیں میں داخل ہو کر پانی استعمال کر سکتے ہیں۔[131]

۳۔گھاس

گھاس بھی مباح عام اشیاء میں داخل ہے،اس کو عربی میں " الكلأ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فتاوی ہندیہ میں اس سے متعلق وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

"الكلأ كل ما ينجم على وجه الأرض أي ينبسط وينتشر ولا يكون له ساق فهو كلأ"[132]

یعنی ہر وہ چیز ہے جو زمین کی سطح پر اگتی ہو اور پھیلتی ہو اور جس کا کوئی تنا (سخت ساق) نہیں ہوتا اس کو چارہ یا گھاس کہا جاتا ہے۔

گھاس کی مزید تین اقسام کو الگ الگ شرعی احکام کے مطابق تقسیم کیا گیا ہے:

1۔پہلی قسم:

" أحدها أن يكون في أرض مباحة فالناس فيه شركاء في الاحتشاش والرعي كالشركة في ماء البحار"[133]

یعنی کہ پہلی قسم گھاس کی یہ ہے وہ گھاس کسی مباح زمین (یعنی عوامی ملکیت) پر ہو، تاکہ تمام افراد کو اس سے یکساں طور پر فائدہ حاصل کرنے کا حق حاصل ہوں۔ جیسے گھاس کاٹنا (احتشاش) اور جانور چرانا (رعی)۔ یہ اسی طرح ہے جیسے سمندری پانی میں سب کا برابر کا حق ہوتا ہے،اور کوئی بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لہذا ایسی زمین پر لگی ہوئی گھاس سے ہر شخص فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور کسی کو کوئی حق حاصل نہیں ہوتا کہ کسی کو وہاں سے فائدہ اٹھانے سے منع کرے۔اس طرح کسی کو یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ بغیر احراز کیے ہوئے

---

[131] الفتاوی الهندية،كتاب الشرب، الباب الأول في تفسير الشرب وركنه وشرط حله وحكمه، ج:5،ص:391

[132] ایضا

[133] ایضا

وہاں سے گھاس کسی پر فروخت کر دے۔

2۔دوسری قسم:

دوسری قسم گھاس کی یہ ہے کے وہ کسی کی ذاتی زمین پر مالک کے محنت کے بغیر خود بخود اگ آئی ہو تو اس قسم کی گھاس میں فقہاء کرام کی مختلف آراء ہیں:

ا۔حنفیہ اور حنابلہ کے راجح قول کے مطابق یہ گھاس مباح عام ہے،البتہ مالک زمین کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے زمین کے اندر داخل ہونے والوں کو روکے،لیکن اگر اس کے قریب کہیں پر گھاس موجود نہیں ہے تو پھر مالک زمین خود گھاس کاٹ کر لوگوں کو دے یا اپنی زمین میں لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دے۔اس طرح اگر مالک زمین نے گھاس کاٹ کر اپنے لیے خود محفوظ کر لی تو پھر یہ گھاس مالک زمین کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔

حنفیہ کے قول کی تصدیق ہندیہ کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

"والثاني أن يكون في أرض مملوكة له نبت بنفسه من غير إنبات لا يمنعه صاحب الأرض قبل الإحراز إلا أن له أن يمنع الناس من الدخول في أرضه لأجل الكلأ"[134]

یعنی کہ اگر کوئی گھاس یا نباتات کسی کی ذاتی زمین میں خود بخود(قدرتی طور پر)اگ آئے،بغیر اس کے کہ مالک نے اسے خود اگایا ہو،تو اس پر اصل حق اس زمین کے مالک کا نہیں ہے،بلکہ ساری عوام الناس کا ہے جو اس گھاس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں،اس طرح اس زمین کے مالک کو اس حق کا اختیار نہیں ہوگا کہ اس گھاس سے فائدہ اٹھانے والے کو روکے،البتہ مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی زمین میں کسی کو داخل ہونے سے روکے،لیکن اگر کوئی شخص زمین کے مالک کی اجازت کے بغیر اس زمین میں داخل ہو کر اپنے لیے گھاس کاٹ لے تو اس زمین کے مالک کو یہ حق حاصل نہیں کے اس شخص سے گھاس لینے کا مطالبہ کرے۔

اس طرح علامہ ابن قدامہؒ نے "المغنی" میں اس کے متعلق ایک اور روایت بھی نقل کی ہے کہ مملوکہ زمین میں خود بخود اگی ہوئی گھاس مالک کی ملکیت ہے۔[135]

[134] الفتاوى الهندية،كتاب الشرب، الباب الأول في تفسير الشرب وركنه وشرط حله وحكمه،ج:5،ص:392

[135] المغني – ابن قدامة،باب أحكام بيع ماء العيون والآبار والكلأ،ج:4،ص:335

۲۔ شوافع کے نزدیک یہ گھاس مالک زمین کی ملکیت ہے۔[136]

۳۔ مالکیہ کے ہاں اگر مالک زمین نے اس گھاس کو محفوظ بنانے کے لیے کوئی چار دیواری، باڑ یا دیوار وغیرہ لگایا ہو تو یہ گھاس مالک زمین کی ملکیت ہے ورنہ نہیں ہے۔[137]

3۔ تیسری قسم:

گھاس کی تیسری قسم یہ ہے کہ مالک زمین گھاس کو خود اگائے، اس پر محنت کرے، اس کے لیے زمین کو تیار کرے، اس کو پانی دے، تو اس قسم کی گھاس پر صرف مالک زمین کا حق ہے، لہذا اس پر کسی کو حق حاصل نہیں ہے کے مالک زمین کی اجازت کے بغیر اس گھاس سے فائدہ اٹھائے۔

"المبسوط" میں علامہ سرخسیؒ اس حوالے سے یوں لکھتے ہیں کہ :

"فأما ما أنبته صاحب الأرض بأن سقى أرضه، وكربها لنبت الحشيش فيها لدوابه فهو أحق بذلك، وليس لأحد أن ينتفع بشيء منه إلا برضاه؛ لأنه حصل بكسبه، والكسب للمكتسب"[138]

یعنی کہ جو گھاس مالک نے خود اگائی ہو، اس طرح کے اس کی دیکھ بال کی ہو اس کو سیراب کیا ہو، تاکہ اس کے جانوروں کے لیے چارہ تیار ہو تو اس قسم کی گھاس پر سب سے زیادہ حق اس کے مالک کا ہے۔ اس طرح کسی کے لیے اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ مالک کے اجازت کے بغیر اس فائدہ اٹھائے؛ کیونکہ یہ گھاس اس کی اپنی محنت سے حاصل ہوئی ہے نہ کہ خود بخود اگ آئی ہے اور جو شخص جس چیز پر محنت کرتا ہے اسی کا حقدار بھی وہ ہوتا ہے۔

۴۔ آگ

آگ بھی مباح عام اشیاء میں شامل ہے، جس طرح حدیث میں آیا ہے کہ آگ میں بھی سارے مسلمان مساوی طور پر شریک

---

136 الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الحاوي في فقه الشافعي، باب إقطاع المعادن وغيرها، الناشر : دار الكتب العلمية، الطبعة : الأولى 1414هـ، ج:7، ص:508

137 القرطبي، أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد، البيان والتحصيل، كتاب السداد والأنهار، الناشر : دار الغرب الإسلامي، بيروت – لبنان، الطبعة : الثانية ، 1408 هـ، ج:10، ص:246

138 السرخسي، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة، المبسوط، كتاب الشرب، الناشر: دار المعرفة – بيروت، تاريخ النشر: 1414هـ، ج:23، ص:165

ہیں۔لہذا یہاں یہ بات واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ آگ سے مراد کیا ہے؟اس کے متعلق فقہاء کی متعدد آراء پائی جاتی ہیں:

۱۔پہلی رائے:

"قوله "والنار"قيل المراد بها الشجر الذي يحبطه الناس"[139]

اس حوالے سے پہلی رائے یہ ہے کہ آگ سے مراد جنگلات اور مباح زمینوں کی لکڑیاں ہے، جسے ہر بندہ کاٹ کر لے جاسکتا ہے اور اس سے آگ بھی جلا سکتا ہے۔

۲۔دوسری رائے:

بعض اہل علم کے نزدیک آگ سے مراد وہ چقماق یا پتھر ہے جس کے ذریعے آگ جلائی جاتی ہے۔اگر یہ پتھر ایسی جگہ موجود ہو جو نہ کسی کی ملکیت میں ہو اور نہ ہی کسی کی مخصوص جاگیر ہو، تو اسے مباحِ عام شمار کیا جائے گا اور ہر شخص کو اس سے استفادہ کرنے کا حق حاصل ہو گا۔[140]

۳۔تیسری رائے:

"وقيل المراد بها الاستصباح منها والاستضاءة بضوئها"[141]

اکثر اہل کی یہی رائے ہے کہ آگ سے مراد صرف اس کی روشنائی اور تپش میں شریک ہونا ہے، لہذا آگ جو بھی جلائے اس سے فائدہ سب حاصل کر سکتے ہے۔

اس حوالے سے علامہ ابن عابدین شامیؒ نے لکھا ہے کہ:

" يعني إذا أوقد نارا في مفازة فإنه تكون مشتركة بينه وبين الناس أجمع، فمن أراد أن يستضيء بضوئها أو يخيط ثوبا حولها، أو يصطلي بها، أو يتخذ منها سراجا ليس لصاحبها منعه، فأما إذا أوقدها في موضع مملوك فإن له منعه من الانتفاع بملكه، فأما إذا أراد أن يأخذ من فتيلة سراجه أو شيئا من الجمر فله منعه لأنه ملكه إتقاني عن شيخ الإسلام."[142]

---

[139] نيل الأوطار، باب الناس شركاء في الثلاث وشرب الأرض،ج:6،ص:38

[140] أيضا

[141] نيل الأوطار، باب الناس شركاء في الثلاث وشرب الأرض،ج:6،ص:38

[142] رد المحتار على الدر المختار،فصل الشرب،ج:6،ص:440

ترجمہ: یعنی اگر کوئی کھلے میدان میں آگ جلائے تو وہ اس کے اور تمام لوگوں کے درمیان مشترک ہوگی۔ جو کوئی اس کی روشنی سے فائدہ اٹھانا چاہے، اس کے قریب بیٹھ کر کپڑا سیئے، اس کی گرمی سے استفادہ کرے یا اس سے چراغ جلائے، تو آگ جلانے والے کو اس سے روکنے کا کوئی حق نہیں۔ لیکن اگر وہ کسی ذاتی ملکیت میں آگ جلائے تو اسے اپنی ملکیت سے دوسروں کو فائدہ اٹھانے سے روکنے کا حق حاصل ہوگا۔ البتہ اگر کوئی شخص اس کے چراغ کی بتی سے کچھ لینا چاہے یا انگاروں میں سے کچھ لینا چاہے تو اسے منع کرنا جائز ہوگا، کیونکہ یہ اس کی ذاتی ملکیت ہے۔

علامہ شامیؒ نے اس عبارت میں مباح آگ کی دو قسموں میں تقسیم کی ہیں:

ا۔ پہلی تقسیم:

آگ کی پہلی قسم یہ ہے کہ وہ آگ کسی مباح عام جگہ، یعنی صحراء وغیرہ میں لگائی جائے جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو تو پھر سب لوگوں کو یہ حق حاصل ہے کہ اس آگ سے فائدہ اٹھائے۔ یعنی اس آگ سے تپش حاصل کر سکتے ہے، اس کی روشنی میں کپڑے وغیرہ سی سکتے ہے، اس طرح اس کے ذریعے اپنے کپڑے وغیرہ سکھا سکتے ہے وغیرہ، لیکن اس آگ سے کوئی انگارہ یا کوئی لکڑی وغیرہ نہیں لے جا سکتا؛ چونکہ وہ اس آگ پر قابو پا چکا ہے، لہٰذا وہ اس کا مالک بن چکا ہے۔

دوسری تقسیم:

آگ کی ایک اور قسم وہ ہے جو کوئی شخص اپنی ذاتی ملکیت میں جلاتا ہے۔ اس صورت میں زمین کا مالک یہ اختیار رکھتا ہے کہ کسی کو اپنی زمین میں داخل ہونے سے روک دے۔ تاہم اگر وہ کسی کو اجازت دے کر اپنی زمین میں آنے دیتا ہے، تو پھر وہ شخص وہاں موجود آگ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور مالک کو یہ حق نہیں رہتا کہ وہ اس اجازت یافتہ فرد کو آگ کے استفادہ سے باز رکھے۔

پانی، آگ اور گھاس کی شرکت میں فرق:

مشترکہ اشیاء میں شراکت کی نوعیت یکساں نہیں ہوتی، بلکہ بعض اشیاء میں شراکت خود اس چیز (عین) میں ہوتی ہے، جب کہ بعض میں صرف اس کے نفع و استعمال میں ہوتی ہے۔ اسی بنیاد پر پانی اور گھاس میں شراکت ان کے عین میں ہوتی ہے، یعنی ہر شخص ان کو لے کر منتقل کر سکتا ہے، جب کہ آگ میں شراکت اس کی ذات میں نہیں بلکہ اس کی حرارت اور روشنی جیسے فوائد میں ہوتی ہے۔

اس حوالے سے علامہ شامیؒ فرماتے ہے:

"ووجه الفرق فيما يظهر لي أن الشركة ثابتة في عين الماء والكلإ لا في عين الجمر، فلا يجب عليه أن يخرج له الجمر ليصطلي به، لأنه لا شركة لغيره فيه ولذا له استرداد جمر له قيمة ممن أخذه بخلاف الكلأ والماء الغير المحرزين"[143]

یعنی کہ ان تینوں کے اشتراک میں یہ فرق ہے کہ پانی اور گھاس میں شراکت اس کے عین میں ہے، یعنی ہر شخص ان دونوں میں سے کسی کو بھی اٹھا سکتا ہے اور اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے، لیکن آگ میں ایسا نہیں کر سکتے کہ آگ میں سے کوئی انگارہ وغیرہ اٹھا کر کسی جگہ لے جائے؛ کیونکہ آگ میں شرکت سے مراد اس کے عین میں شریک ہونا نہیں ہے، بلکہ اس کی حرارت، تپش اور روشنی میں شریک ہونا مقصود ہے۔

۵۔ معادن، کنز اور رکاز

علامہ ابن منظورؒ نے "لسان العرب" میں "معادن" کی لغوی تحقیق کچھ یوں کی ہے:

"ومنه المعْدِن بكسر الدال وهو المكان الذي يَثْبُتُ فيه الناس لأَن أَهله يقيمون فيه ولا يتحوَّلون عنه شتاء ولا صيفاً"[144]

یعنی کہ لفظ "معدن" دال پر زیر کے ساتھ، وہ جگہ جہاں لوگ مستقل طور پر مقیم ہو اور گرمی اور سردی دونوں میں وہاں سے ہجرت وغیرہ نہ کرتے ہوں۔

مزید لفظ معادن کی لغوی معنی یہ بھی ہے:

"مكان كل شيء فيه أصله ومركزه وموضع استخراج الجوهر من ذهب ونحوه والفلز"[145]

معدن سے مراد کسی چیز کا اصل منبع، مرکز یا وہ مقام ہے جہاں سے سونا، چاندی اور دیگر قیمتی دھاتیں حاصل کی جاتی ہیں۔

اس طرح اصطلاحی معنی کے متعلق میں علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے:

---

[143] رد المحتار على الدر المختار،فصل الشرب،ج:6،ص:441

[144] لسان العرب،باب عدن،ج:13،ص:279

[145] نخبة من اللغويين بمجمع اللغة العربية بالقاهرة،المعجم الوسيط،الناشر: مجمع اللغة العربية بالقاهرة،الطبعة: الثانية [كُتبَتْ مقدمتُها ١٣٩٢ هـ = ١٩٧٢ م]،ج:2،ص:588

"فأصل المعدن المكان بقيد الاستقرار فيه ، ثم اشتهر في نفس الأجزاء المستقرة التي ركبها الله تعالى في الأرض يوم خلق الأرض حتى صار الانتقال من اللفظ إليه ابتداء بلا قرينة"[146]

یعنی معدن کا اصل معنی یہ ہے کہ وہ جگہ جہاں استقرار ہو، پھر یہ معنی مستقلاً ان اجزاء پر مشہور ہو گیا جن کو اللہ تعالی نے زمین کی تخلیق کے وقت زمین میں رکھا، یہاں تک کے بغیر کسی قرینے کے یہ لفظ ان اجزاء پر بولا گیا۔

"علامہ ابن منظورؒ "لسان العرب" میں "کنز" کے لغوی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الكَنْزُ اسم للمال إذا أُحرز في وعاء ولما يحرز فيه وقيل الكَنْزُ المال المدفون وجمعه كُنُوزٌ"[147]

یعنی کہ کنز اس مال کو کہا جاتا ہے جس کو کسی محفوظ برتن میں رکھا جاتا ہے اور جس برتن میں رکھا جاتا ہے اس کو بھی کنز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ کنز اس مال کو کہا جاتا ہے جو زمین میں دفن کیا گیا ہو۔

علامہ رازیؒ نے بھی یہی لغوی تعریف کی ہے:

" الكنز المال المدفون"[148]

یعنی وہ مال جو زمین میں دفن ہو۔

اس کے اصطلاحی معنی کے بارے میں علامہ الکاسانیؒ فرماتے ہے:

" وهو المال الذي دفنه بنو آدم في الأرض"[149]

یعنی کہ وہ مال جس کو کسی انسان نے زمین میں دفن کیا ہو۔

رکاز کا لغوی معنی علامہ رازیؒ نے لکھا ہے:

"رَكَزَ الرمح غرزه في الأرض"[150]

رکاز باب نصر سے جس کا معنی ہے نصب کرنا یا گاڑ دینا، یعنی نیزے کو زمین میں نصب یا گاڑ دینا۔

---

[146] فتح القدير، باب في المعادن والركاز، ج:4،ص:125

[147] لسان العرب،باب كنز، ج:5،ص:401

[148] مختار الصحاح،باب الكاف،ج:1،ص:586

[149] بدائع الصنائع، فصل حكم المستخرج من الأرض،ج:2،ص:67

[150] مختار الصحاح،بابالراء، ج:1،ص:276

مزید علامہ ابن منظورؒ نے بھی اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے:

" الرَّكْزُ غَرْزُكَ شيئاً منتصباً كالرمح"[151]

یعنی "الرکز" کسی چیز کو زمین میں گاڑنا، جیسے نیزے کو زمین میں گاڑنا۔

رکاز کے اصطلاحی معنی میں فقہاء کرام کے درمیان دو رائے پائی جاتی ہیں:

ا۔پہلی رائے:

پہلی رائے جمہور فقہاء کرام کی ہے وہ فرماتے ہیں:

"هو ما وجد مدفونا من عهد الجاهلية وبهذا قال جمهور الفقهاء"[152]

یعنی کے رکاز کا مطلب یہ ہے وہ تمام چیزیں جو زمانہ جاہلیت سے زمین میں مدفون ہوں۔

۲۔دوسری رائے:

دوسری رائے اس حوالے سے حنفیہ کی ہے:

"والركاز اسم يقع على كل واحد منهما إلا أن حقيقته للمعدن واستعماله للكنز مجازا"[153]

یعنی کہ حنفیہ کے ہاں رکاز کا لفظ عام ہے، معدن پر حقیقۃً اور کنز پر مجازاً بولا جاتا ہے۔

لہذا معادن، دفینے اور رکاز یہ تین قسم کی اصطلاحات فقہائے کرام نے استعمال کی ہیں۔ان تینوں اصطلاحات کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہیں جو زمین سے نکلتی ہیں، جیسے کے سونا، چاندی، لوہا، تانبا و غیرہ، البتہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ فرق پایا جاتا ہیں۔

اس حوالے سے علامہ کاسانیؒ فرماتے ہے:

"فالمستخرج من الأرض نوعان: أحدهما يسمى كنزا وهو المال الذي دفنه بنو آدم في الأرض، والثاني يسمى معدنا وهو المال الذي خلقه الله تعالى في الأرض يوم خلق الأرض، والركاز اسم يقع على كل واحد منهما إلا أن حقيقته للمعدن واستعماله للكنز مجازا"[154]

---

[151] لسان العرب، باب رکز، ج:5، ص:355

[152] وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية – الكويت، الموسوعة الفقهية الكويتية، الطبعة : (من 1404 - 1427 هـ)، ص:192، ج:38

[153] بدائع الصنائع، فصل حكم المستخرج من الأرض، ج:2، ص:65

[154] ایضا

مذکورہ بالا عبارت سے مندرجہ ذیل امور وضح ہورہے ہیں:

۱۔ کنز:

اس سے مراد وہ مال یا دفینہ ہے جو کسی انسان نے زمین میں دفن کیا ہو۔

۲۔ معادن:

اس سے مراد وہ خزانہ ہے جسے اللہ نے زمین کے اندر پیدا کیا ہو۔

البتہ جہاں تک لفظ "رکاز" کا معاملہ ہے تو اس کا اطلاق "کنز" پر مجازی اور "معادن" پر حقیقی دونوں پر ہوتا ہے، یعنی یہ لفظ عام ہے۔

معادن اور کنوز کے احکام:

معادن اور کنوز کے احکام میں فقہاء کرام کے درمیان مختلف اقوال پائے جاتے ہیں:

1۔ پہلا قول:

معادن کے حوالے سے پہلا قول حنفیہ کا ہے، حنفیہ کے ہاں معادن کی تین قسمیں ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی قسم:

پہلی قسم معادن کی یہ ہے کہ وہ آگ سے پگل جاتی ہو یا نرم ہو جاتی ہو اور اس کو کوئی خاص ہیئت دی جاتی ہو۔ جیسے کہ سونا، چاندی، لوہا وغیرہ

شرعی حکم:

معادن کی پہلے قسم کے حکم کے بارے میں علامہ کاسانیؒ نے وضاحت کی ہے:

"وكل ذلك لا يخلو إما أن وجده في دار الإسلام، أو في دار الحرب في أرض مملوكة، أو غير مملوكة فإن وجد في دار الإسلام في أرض غير مملوكة فالموجود مما يذوب بالإذابة وينطبع بالحلية يجب فيه الخمس سواء كان ذلك من الذهب، والفضة، أو غيرهما مما يذوب بالإذابة وسواء كان قليلا، أو كثيرا فأربعة أخماسه للواجد كائنا من كان"[155]

---

[155] بدائع الصنائع، فصل حكم المستخرج من الأرض، ج:2،ص:67

یعنی کہ معدن کی پہلی قسم میں سے کسی کو کوئی چیز مسلمانوں کی زمین سے ملی اور وہ زمین کسی کی ملکیت میں نہ تھی، یعنی مباح عام زمین تھی تو اس صورت میں اس میں خمس لازم ہو گا اور باقی چار حصے اس شخص کے ہونگے جس کو یہ چیز ملی ہے۔ ہاں جس شخص کو جو چیز ملی ہے اگر وہ خود محتاج ہو پھر وہ خمس بھی اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

مزید اس قسم کے حکم کے حوالے سے علامہ شامیؒ فرماتے ہے:

"والحاصل: أن معدن الأرض المملوكة جميعه للمالك سواء كان هو الواجد أو غيره وهذا رواية الأصل الآتية وفي رواية الجامع يجب فيه الخمس وباقيه للمالك مطلق"[156]

اگر پہلی قسم کے معادن میں سے کوئی چیز کسی شخص کو ایسی زمین میں ملے جو کسی اور کی ملکیت ہو، تو وہ چیز اس زمین کے مالک کی سمجھی جائے گی، نہ کہ اسے پانے والے کی، اور اس پر بھی خمس واجب ہو گا۔

دوسری قسم:

دوسری قسم معادن کی مائع ہے، جیسا کہ تیل، قطران وغیرہ

تیسری قسم:

تیسری قسم معدن کی یہ ہے کہ نہ وہ پگلتی یا نرم ہوتی ہو اور نہ وہ مائع ہو، بلکہ ان کے علاوہ ہوں۔ جیسے کے جواہر، یاقوت، موتی وغیرہ۔

باقی دو قسموں کا شرعی حکم:

اس بارے میں علامہ کاسانیؒ کی رائے یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی واجب نہیں ہوتی، بلکہ جو چیز کسی کو ملی ہے، وہ مکمل طور پر اسی کی ملکیت شمار ہو گی۔[157]

2۔دوسرا قول:

اس حوالے سے مالکیہ کے ہاں دو اقوال پائے جاتے ہیں:

---

[156] رد المحتار على الدر المختار، باب زكاة الركاز، ج:2، ص:321

[157] بدائع الصنائع، فصل حكم المستخرج من الأرض، ج:2، ص:67

ا۔پہلا یہ کہ معادن کسی کی ملکیت نہیں ہوتی اس لیے امام کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اپنی رائے کے مطابق اس میں تصرف کرے۔

۲۔دوسرا یہ ہے کہ اگر معادن کسی مملوکہ زمین میں معدن ملا تو یہ مالک کی ملکیت ہوگی۔[158]

3۔تیسرا قول:

تیسرا قول حنابلہ کا ہے اگر معدن جامد چیزوں میں سے ہو تو اگر مملوکہ زمین میں سے نکلا ہو تو وہ مالک کی ملکیت ہے۔لیکن اگر غیر مملوکہ زمین میں سے ہو یعنی مباح عام تو جس کو ملا ہے اسی کا ہے۔[159]

4۔چوتھا قول:

اس حوالے سے چوتھا قول شافعیہ کا ہے،انہوں نے معادن کی دو تقسیمات کی ہیں:

ا۔المعادن الظاہرۃ

"(الظاهر وهو ما خرج) أي برز جوهره (بلا علاج) أي عمل وإنما العمل والسعي في تحصيله"[160]

یعنی کہ ظاہر معادن سے مراد وہ معادن ہے جو بغیر کسی محنت مشقت کے آرام سے مل جائے۔

اس کا حکم یہ ہے:

"وقوله (ولا يثبت فيه اختصاص بتحجر ولا إقطاع) من سلطان معطوف على الخبر لأن هذه الأمور مشتركة بين الناس مسلمهم وكافرهم كالماء والكلأ"[161]

یعنی کے معادن ظاہرہ سب لوگوں کے درمیان مشترک ہیں، پانی اور گھاس کی طرح،لہذا معادن ظاہرہ جہاں بھی موجود ہو چاہے وہ جگہ کسی کی ملکیت ہو یا مباح عام ہو دونوں صورتوں میں اس شخص کے ہیں جس کو یہ ملے ہیں۔

---

[158] البيان والتحصيل،ج:2،ص:395

[159] المغني، فصلان : ملك المعدن بملك الأرض وجواز بيع المعدن بجنسه،ج:2،ص:620

[160] الشربيني، محمد الخطيب،مغني المحتاج، فصل في حكم الأعيان، الناشر دار الفكر، مكان النشر بيروت،ج:2،ص:372

[161] مغني المحتاج، فصل في حكم الأعيان، ج:2،ص:372

۲۔المعادن الباطنة

یعنی کہ معادن باطنہ سے مرادوہ معادن ہے کہ جس کے نکالنے کے لیے محنت، مشقت کرنی پڑتی ہے۔[162]

اس کا حکم یہ ہے:

"(ومن أحيا موتا فظهر فيه معدن باطن) كذهب (ملكه) جزما لأنه بالإحياء ملك الأرض بجميع أجزائها ومن أجزائها المعدن"[163]

یعنی کہ کسی نے کوئی بنجر زمین کو آباد کیا اور اس آباد کرنے سے اس کو کوئی معادن باطنہ میں سے ملا، جیسا کہ سونا، تو یہ اس شخص کی ملکیت سمجھی جائے گی۔اس طرح اگر کسی نے کسی مملوکہ زمین میں مالک کی اجازت یا بغیر اجازت سے کام کیا دونوں صورتوں میں اور اس کو کوئی چیز معادن باطنہ میں سے ملی تو وہ اس کے مالک کی ملکیت ہو گی نہ کہ کام کرنے والے کی، مالک کی اجازت سے اس شخص کو اس کے کام کی اجرت ملے گی نہ کے وہ معدن۔

"أجمعت الأمة على وجوب الزكاة في المعدن لأن النبي صلى الله عليه وسلم أقطع بلال بن الحارث المزني المعادن القبلية وأخذ منه الزكاة ، وشرط للذي يجب عليه أن يكون حرا مسلما وشرط كذلك أن يكون المستخرج نصابا من الذهب أو الفضة ، أما غير الذهب والفضة كالحديد والرصاص وغيرهما فلا زكاة فيه، لأنها ليست من الأموال المزكاة"[164]

اس بات پر پوری امت کا اتفاق (اجماع) ہے کہ معدن (کان) میں زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث مزنی کو قبلیہ کی کانیں عطافرمائیں اور ان سے زکوٰۃ وصول کی۔ نیز، زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط رکھی کہ ادا کرنے والا آزاد اور مسلمان ہو، اور یہ بھی شرط رکھی کہ نکالا گیا مال سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو، البتہ سونے اور چاندی کے علاوہ دیگر معدنیات جیسے لوہا، سیسہ اور دیگر دھاتیں، تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، کیونکہ یہ زکوٰۃ کے اموال میں شامل نہیں ہیں۔

چنانچہ جمہور کے ہاں معادن میں ربع عشر لازم ہو گا، یعنی زکوۃ لازم ہو گی۔

---

[162] مغني المحتاج، فصل في حكم الأعيان، ج:2،ص:372

[163] الشربيني، محمد الخطيب،مغني المحتاج، فصل في حكم الأعيان، الناشر دار الفكر، مكان النشر بيروت،ج:2،ص:373

[164] الموسوعة الفقهية الكويتية،باب ملكية المعادن،ج:38،ص:198

کنز کے احکام:

کنوز کی دو قسمیں ہیں:

۱۔پہلی قسم:

کنز کی پہلی قسم یہ کہ وہ کسی غیر مملوکہ زمین میں پائی جائے، جیسے پہاڑ وغیرہ، تو اس میں قدر تفصیل ہے، کہ اس کنز پر اسلام کی کوئی علامت ہو گی یا نہیں، اگر ہو گی تو اس پر پھر لقطہ کے احکام لازم ہونگے اور اگر اس پر اسلام کی کوئی علامات وغیرہ نہیں ہیں، بلکہ زمانہ جاہلیت کی علامات ہوں تو پھر اس میں خمس لازم ہو گا اور باقی چار اخماس جس کو ملے ہیں اسی کے ہونگے۔

۲۔دوسری قسم:

کنز کی دوسری قسم یہ ہے کہ وہ کسی مملوکہ زمین میں پائی جائے تو اس میں خمس لازم ہو گا، البتہ جو باقی حصہ ہے اس میں فقہاء کرام کی مختلف آراء ہیں:

۱۔امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے ہاں باقی حصہ مملوکہ زمین کے مالک کا ہو گا اور یہی قول مالکیہ اور امام احمدؒ کا بھی ہے۔

۲۔شافعیہ اور احناف میں سے امام ابو یوسفؒ کے ہاں بقی حصص جس کو کنز ملا ہے اس کے ہونگے نہ کے مالک کے اور احناف کے ہاں یہی مفتی بہ قول ہیں۔[165]

[165] بدائع الصنائع، فصل حکم المستخرج من الأرض، ج:2،ص:66

فصل دوم: مشترکہ اشیاء سے متعلق تملیک کا ضابطہ اور پاکستان میں اس کی معاصر صورتیں

مبحث اول: مشترکہ اشیاء سے متعلق تملیک کا ضابطہ

مبحث اول: مشترکہ اشیاء سے متعلق تملیک کا ضابطہ

مشترکہ اشیاء سے مراد وہ اشیاء ہیں کہ جو کسی خاص فرد یا گروہ کی ملکیت میں نہ ہوں، بلکہ تمام عوام الناس اس میں برابر کے شریک ہوں، جیسے پانی، گھاس، وغیرہ۔ البتہ ان اشیاء کے بارے میں ایک سوال یہ ذہن میں آتا ہے کہ کیا کوئی خاص فرد ان اشیاء کا مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟ اگر بن سکتا ہے تو اس کے لیے کیا اسباب اختیار کرنے ہونگے کہ کوئی مباح اشیاء میں سے کسی چیز کا مالک بن جائے۔ لہذا اس حوالے سے فقہاء کی کیا آراء ہیں ان کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

چنانچہ کسی بھی چیز کو ملکیت میں لانے کے لیے شریعت نے چار اسباب ذکر کیے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ احراز المباحات

۲۔ العقود

۳۔ الخلفیۃ

۴۔ التولد من المملوک

ان اسباب کو ذکر کرنے سے پہلے لفظ "ملک" کی وضاحت کی ضرورت ہے کہ اس کا معنی اور مفہوم کیا ہے؟

ملک کا لغوی معنی:

اس کی جمع "املاک" ہے، اور اس کا لغوی معنی علامہ ابن منظورؒ نے "لسان العرب" میں اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"والمِلْك احتواء الشيء والقدرة على الاستبداد به مَلَكه يَمْلِكه مَلْكاً ومِلْكاً ومُلْكاً وتَمَلُّكاً"[166]

یعنی کہ ملک کا مطلب ہے کسی چیز پر مکمل اختیار اور اسے اپنی مرضی سے قابو میں رکھنے کی قدرت۔

اس طرح علامہ ابن فارسؒ نے اپنی کتاب "معجم مقاییس اللغۃ" میں "میم، لام اور کاف" کے بارے میں ایک اصول ذکر کیا ہے:

"(ملك) الميم واللام والكاف أصلٌ صحيح يدلُّ على قوّةٍ في الشيء وصحة وملّكتُ الشَّيءَ: قوّيتُه"[167]

یعنی کہ میم، لام اور کاف کے بارے میں اصل یہ ہے کہ یہ کسی چیز میں قوت اور استحکام پر دلالت کرتی ہے، جیسے کہ "ملّكتُ

[166] لسان العرب، باب ملك، ج:10، ص:492

[167] معجم مقاييس اللغة، باب ملك، ج:5، ص:351

الشيءَ" کا مطلب ہے: میں نے کسی چیز کو مضبوط اور مستحکم کیا۔

اصطلاحی معنی:

علامہ ابن الہمامؒ نے اس کی تعریف اس انداز میں کی ہے:

"فالملك هو قدرة يثبتها الشارع ابتداء على التصرف"[168]

یعنی کہ "ملک" وہ قدرت ہے جو شریعت ابتداءً کسی کے لیے تصرف کے حق کے طور پر ثابت کرتی ہے۔

اس طرح علامہ احمد نکریؒ اپنی مشہور کتاب "دستور العلماء" میں لکھتے ہے:

"في اصطلاح الفقه الملك اتصال شرعي بين الإنسان وبين شيء يكون سببا لتصرفه فيه ومانعا عن تصرف غيره فيه"[169]

یعنی کہ فقہ کی اصطلاح میں "ملک" ایک شرعی تعلق کا نام ہے جو انسان اور کسی چیز کے درمیان قائم ہوتا ہے، جو اسے اس چیز میں تصرف کا حق دیتا ہے اور دوسروں کو اس چیز میں تصرف سے روکتا ہے۔

لہذا ان مذکورہ بالا تعریفات سے اس بات کی توضیح ہوتی ہے کہ شریعت کی نظر میں ملک کسی مادی چیز کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک حق کا نام ہے۔ جب تک شریعت انسان اور مال کے درمیان اس خاص تعلق کا اقرار کرتی ہے تو اس سے ملکیت ثابت ہوتی ہے اور جب شریعت اس خاص تعلق کا انکار کرے تو انسان اور مال کے درمیان تعلق ختم ہو جاتا ہے تو پھر یہ ملکیت باقی نہیں رہتی۔

ا۔احراز المباحات

مباحات سے مراد وہ چیزیں ہے جو کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتیں، بلکہ مباح عام ہوتی ہیں اور ہر شخص اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ ہاں البتہ اگر کوئی شخص ان مباح اشیاء میں سے کسی چیز پر قدرت پالے اور اور اس کو ملکیت کی نیت سے اپنے قابو میں کر لے تو پھر یہ مباح چیز اس شخص کی خاص ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔ اس قدرت کے پانے کو اور اپنے قابو میں لانے کو "احراز" کہا جاتا ہے، لیکن احراز کے ذریعے کسی چیز کو اپنی ملکیت میں لانے کے لیے دو شرائط کا ہونا ضروری ہے:

---

168 فتح القدير، كتاب البيوع، ج:14، ص:176

169 الأحمد نكري، القاضي عبد رب النبي بن عبد رب الرسول، دستور العلماء، باب حرف الميم، دار النشر : دار الكتب العلمية – لبنان / بيروت – 1421 هـ – 2000 م، ج:3۔ص:224

پہلی شرط:

اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ جس چیز کا احراز کر رہا ہو وہ چیز پہلے سے کسی نے اپنے قابو اور ملکیت میں نہ لائی ہو۔ جیسا کہ اگر کسی نے بارش کے پانی کو جمع کرنے کے لیے کوئی بڑا برتن رکھا ہو، تو کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اس پانی میں سے اپنے لیے لے جائے یا استعمال کرے؛ کیونکہ اب یہ پانی پہلے احراز کرنے کے ساتھ مباح نہیں رہا، بلکہ کسی کی ملکیت بن گئی ہے؛ کیونکہ یہ قاعدہ اور اصول ہے:

"ومن سبق إلى مباح من صيد، أو حطب، أو معدن ونحوه فهو أحق به"[170]

یعنی کہ جو شخص کسی مباح چیز، جیسے شکار، لکڑی، کان یا اس جیسی دیگر چیزوں میں سبقت لے جائے، وہ اس کا زیادہ حق دار ہوتا ہے۔

اس طرح اگر کسی نے صحراء یا کسی جنگل سے اپنے لیے لکڑیاں وغیرہ جمع کی تو اب یہ لکڑیاں مباح عام نہیں رہی، بلکہ اس شخص کے احراز کرنے کے ساتھ اس کی ملکیت بن چکی ہیں۔

دوسری شرط:

مشترکہ اشیاء کو ملکیت میں لانے کے لیے دوسری شرط یہ بھی ہے کہ تملیک کے قصد اور ارادے کے ساتھ اس چیز کا احراز کیا جائے۔ یعنی کہ اگر کوئی چیز کسی کے قبضے میں اس کے ارادے اور قصد کے بغیر آئی تو یہ چیز اس کی ملکیت نہیں سمجھی جائے گی۔ جیسا کہ اگر کسی شکاری نے اپنے جال کو دھوپ میں سکھانے کے لیے رکھا اور اس میں کوئی شکار آکر پھنس گیا تو یہ شکار اس شکاری کی احراز میں نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ اپنی اصل پر باقی رہے گا، یعنی مباح رہے گا۔

چنانچہ قصد اور ارادے کے متعلق قاعدہ ہے:

"الأمور بمقاصدها"[171]

یعنی کہ ہر کام کی قدر و قیمت اور اس کا نتیجہ اس کے کام کی نیت اور مقصد پر منحصر ہوتا ہے۔

---

170 الحنبلي النجدي، عبد الرحمن بن محمد بن قاسم العاصمي، حاشية الروض المربع شرح زاد المستقنع،باب احياءالموات، الناشر: (بدون ناشر)، الطبعة: الأولى - ١٣٩٧ هـ،ج:5،ص:489

171 السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن، الأشباه والنظائر في قواعد وفروع فقه الشافعية، كتاب الاول، الناشر: دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى، ١٤٠٣ هـ - ١٩٨٣ م،ص:8

۲۔العقود

"عقود" عقد کی جمع ہے۔ علامہ ابن فارسؒ نے عین، قاف، دال کے بارے میں اصول ذکر کیا ہے:

"(عقد) العين والقاف والدال أصلٌ واحدٌ يدلُّ على شَدٍّ وشِدّةِ وُثوق"[172]

یعنی کہ عین، قاف، اور دال کا یہ اصول ہے کہ یہ کسی چیز کو باندھنے، مضبوطی اور استحکام پر دلالت کرتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:

"هو ارتباط الإيجاب بالقبول كعقد البيع، والإجارة، والإعارة"[173]

یعنی کہ ایجاب و قبول کے باہمی تعلق ہے، جیسے، بیع، اجارۃ، اعارہ وغیرہ

اس طرح علامہ مصطفی الزرقاء نے "عقد" کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

"أنّ العقد هو ارتباط إيجاب بقبول على وجه مشروع يثبت أثره في محلّه"[174]

یعنی کہ عقد ایسا معاہدہ ہے جس میں ایجاب و قبول مشروع طریقے سے آپس میں جڑ جاتے ہے اور اپنے اثر کو اپنے محل میں لازم کر دیتے ہیں۔

چنانچہ کسی بھی عقد کے لیے ضروری ہے کہ عقد کرنے والے میں دو شرائط پائیں جائیں:

۱۔اہلیت رکھتا ہو۔

۲۔اختیار بھی ہو۔

کیونکہ اگر کسی بھی عقد میں اختیار ختم کر دی جائے اور جبراً کسی کو عقد پر مجبور کیا جائے تو یہ عقد شرعاً درست نہیں ہے۔اس طرح اگر کسی میں یہ اہلیت ہی نہیں کہ وہ بیع و شراء کرے جیسے مجنون، یا بچہ تو بھی یہ عقد شرعاً درست نہیں ہو گا۔البتہ دو طرح کے عقد ایسے ہیں، جو ملکیت کا فائدہ بھی دیتی ہے، لیکن اس سے مستثنی بھی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

---

[172] معجم مقاييس اللغة،باب عقد،ج:4،ص:86

[173] درر الحكام في شرح مجلة الأحكام،مادة:3،ج:1،ص:21

[174] مصطفى الزرقاء، الفقه الإسلاميّ في ثوبه الجديد،الفقرة:132،مطبعة جامعة دمشق،1961م،ج:1،ص:275

١۔العقود الجبریۃ

"العقود الجبرية التي تقوم بإجرائها السلطة القضائية مباشرة وصراحة بالنيابة عمن تجب عليهم إذا امتنعوا عن إجرائها."[175]

جبری عقود وہ معاہدے ہوتے ہیں جنہیں قاضی براہِ راست اور صریح طور پر ان افراد کی نیابت میں انجام دیتا ہے وجن پر ان کا اطلاق ضروری ہو۔ اگر وہ خود اسے انجام دینے سے انکار کریں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کا مال جبری طور پر فروخت کر دیا جائے جس پر قرض ہو تاکہ اس کی قرض کی ادائیگی ممکن ہو سکے۔

٢۔التملیک الجبریۃ

تملک الجبری کو عام قانونی زبان میں جبری طور پر کسی سے اس کی ملکیت حاصل کرنا ہے۔ اس طرح اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت:

اس کی پہلی صورت شفعہ کی ہے۔ شُفعہ ایک ایسا شرعی حق ہے جو کسی شخص کو دیا جاتا ہے کہ وہ کسی خریدار پر جبر کرتے ہوئے اس کی خریدی ہوئی جائیداد کو اسی قیمت اور اخراجات کے ساتھ اپنے قبضے میں لے لے۔ جس کو یہ حق دیا جاتا ہے، اس کو "شفیع" کہتے ہے۔

علامہ مرغینانیؒ شفع کے ثبوت کے حوالے سے فرماتے ہے:

"الشفعة واجبة للخليط في نفس المبيع ثم للخليط في حق المبيع كالشرب والطريق ثم للجار"[176]

یعنی کہ شفعہ واجب ہوتا ہے پہلے نفس مبیع میں شریک کے لیے، پھر حق مبیع میں شریک کے لیے، اور پھر جار ملاصق کے لیے۔

دوسری صورت:

اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ مصالح عامہ کے لیے کسی زمین پر جبراً قبضہ کرنا۔ جیسا کہ اگر کسی مسجد کے قریب زمین موجود ہو اور مسجد کی جگہ کی تنگی کے باعث اس زمین کی مسجد کے لیے شدید ضرورت ہو، اور اس زمین کا مالک اسے فروخت کرنے سے انکار کرے، تو قاضی کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس زمین کو جبراً لے لے۔ اسی طرح اگر کوئی راستہ یا سڑک ہو جو عوامی مفاد کے

---

[175] مصطفي احمد الزرقاء،المدخل الفقهي العام،باب الخامس، دار القاع،الطبعة 2004،ج:1،ص:338

[176] المرغيناني،علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني،الهداية في شرح بداية المبتدي،كتاب الشفعة،الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت – لبنان،ج:4،ص:309

لیے ضروری ہو۔

اس حوالے سے علامہ شامیؒ نے یہ عبارت نقل کی ہے:

"(تؤخذ أرض) ودار وحانوت بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرها"[177]

یعنی کہ اگر کسی مسجد کے ساتھ کوئی زمین، گھر، یا دکان وغیرہ ہو اور مسجد تنگ ہوں اور لوگوں کو تکلیف ہو تو اسے قیمت کے بدلے اس کے مالک سے زبردستی خرید سکتے ہیں۔

۳۔الخلفیۃ

کسی بھی چیز کا مالک بننے کے اسباب میں سے کا تیسرا سبب "خلفیہ" ہے۔اس کے متعلق علامہ مصطفی الزرقاءؒ لکھتے ہے:

"حلول شخص أو شيء جديد محل قديم زائل في الحقوق"[178]

یعنی کہ حقوق میں کسی شخص یا چیز کا کسی پرانی اور ختم شدہ چیز کی جگہ لینا۔

مزید علامہ مصطفی الزرقاءؒ نے اس کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

1۔الارث

یعنی کہ کسی ایک شخص سے دوسرے شخص کا کچھ لینا اس کو ارث یعنی وراثت کہتے ہے۔

یعنی وراثت کے ذریعے ایک آدمی دوسرے آدمی کے مال کا مالک بن جاتا ہے،البتہ جو شخص مر گیا ہو اس پر اتنا قرض نہ ہو جو اس کے مکمل ترکے کو گھیر دے۔چنانچہ وارثت کے ذریعے کسی چیز کا مالک بنا یہ ایک حکم الٰہی ہے۔

"(ولاية بيع التركة المستغرقة بالدين للقاضي لا للورثة) لعدم ملكهم"[179]

یعنی کہ ایسا ترکہ جو مستغرق بالدین ہو اس کے فروخت کرنے کا حق قاضی کو ہے نہ کہ ورثاء کو کیونکہ یہ ان کی ملکیت نہیں ہے۔

2۔تضمین اور تعویض

اس سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کے بدلے کوئی چیز حاصل کرنا۔یعنی کہ کوئی شخص کسی کی کوئی چیز غصب کرلیتا ہے یا اس چیز

---

177 رد المحتار على الدر المختار،باب مطلب في الوقف إذا خرب ولم يمكن عمارته،ج:4،ص:379

178 المدخل الفقهي العام،باب الخامس، ج:1،ص:341

179 رد المحتار على الدر المختار،باب مطلب في بيع التركة المستغرقة بالدين،ج:5،ص:416

کو نقصان پہنچانے یا ضائع کرنے کا باعث بن جاتا ہے یا اسے براہ راست نقصان پہنچادیتا ہے تو اس صورت میں اس شخص کو جو عوض دیا جاتا ہے اس کے ملکیت کے بدلے وہ اس ملکیت کے قائم مقام یا نائب ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ عوض اس نقصان ان کا بدلہ یا خلیفہ ہے جو اس کی ملکیت کا ہوا ہے۔ اس صورت میں تمام جنایات اور دیت وغیرہ شامل ہیں۔

۴۔ التولد من المملوک

مملوکہ چیز سے جو چیز حاصل ہو یا پیدا ہو وہ بھی مملوکہ ہوتی ہے۔ یعنی جو چیز حاصل ہوئی ہو چاہے اس کا سبب مالک بنا ہو اپنے عمل سے یا وہ چیز طبعی طور پر حاصل ہو گئی ہوں۔ جیسا کہ درختوں پر پھل کا آجانا، کسی حیوان کا بچہ جننا، یا کسی غنم وغیرہ پر صفوف کا بڑھ جانا وغیرہ یہ سب اصل مالک کی ملکیت ہوں گی؛ کیونکہ جو اصل کا مالک ہوتا ہے وہ فرع کا بھی مالک ہوتا ہے۔[180]

[180] المدخل الفقهي العام،باب الخامس، ج:1،ص:341

مبحث دوم: پاکستان میں مشترکہ عوامی ملکیت کی جدید صورتیں

مبحث دوم: پاکستان میں مشترکہ عوامی ملکیت کی جدید صورتیں

معاشرتی ارتقاءاور تمدنی ترقی کے ساتھ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں تبدیلی آتی رہی ہے، جن میں "ملکیت" کا تصور بھی شامل ہے۔ ابتدائی انسانی معاشروں میں ملکیت کے تصور کا دائرہ محدود اور سادہ تھا، اور بیشتر اشیاء مثلاً پانی، چراگاہیں، اور جنگلات جیسی قدرتی نعمتیں اجتماعی ملکیت کے طور پر مانی جاتی تھیں، جن پر کسی فردِ واحد کا دعویٰ نہ ہوتا۔ ان وسائل کو "مشترکہ عوامی ملکیت " (Public Commons) کا درجہ حاصل تھا اور سب لوگ بلا امتیاز ان سے استفادہ کا حق رکھتے تھے۔

تاہم، جیسے جیسے انسانی معاشرے نے تمدنی اور صنعتی ترقی کی منازل طے کیں، ملکیت کا دائرہ نہ صرف وسیع ہوا، بلکہ اس کی نوعیت بھی پیچیدہ ہوتی چلی گئی۔ آج کے جدید معاشروں میں عوامی ملکیت صرف قدرتی وسائل تک محدود نہیں رہی، بلکہ اس میں متعدد ایسی سہولیات اور اثاثے بھی شامل ہو چکے ہیں جو ریاستی یا اجتماعی سطح پر فراہم کیے جاتے ہیں، مثلاً: سرکاری تعلیمی ادارے، ہسپتال، پبلک ٹرانسپورٹ، سڑکیں، پل، پارک وغیرہ۔

ان تمام اشیاء کو اسلامی فقہ میں "مباحاتِ عامہ " یا "الاشیاء المشترکہ " کی توسیع صورتوں کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے، جن پر پوری قوم یا عوام کا اجتماعی حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اب مشترکہ عوامی ملکیت کا مفہوم صرف قدرتی یا غیر مصنوعی اشیاء تک محدود نہیں رہا، بلکہ ریاست کے قائم کردہ وہ ادارے اور وسائل بھی اس دائرے میں آجاتے ہیں، جن کا مقصد عامۃ الناس کو فائدہ پہنچانا اور اجتماعی بھلائی کو فروغ دینا ہوتا ہے۔

لہذا اس تناظر میں ضروری ہے کہ موجودہ دور میں مشترکہ عوامی ملکیت کی ان نئی اور معاصر صورتوں کا تحقیقی جائزہ لیا جائے، تاکہ اسلامی فقہ کی روشنی میں یہ معلوم ہو سکے کہ کیا ان نئی شکلوں پر بھی وہی احکام لاگو ہوتے ہیں جو روایتی مباحاتِ عامہ پر لاگو ہوتے تھے، یا ان کے لیے کوئی الگ اصول وضوابط درکار ہیں؟ زیرِ نظر مبحث اسی وجہ سے مرتب کی گئی ہے کہ پاکستان میں موجود جدید عوامی ملکیت کے صورتوں کو ذکر کر کے ان کا شرعی جائزہ لیا جائے۔

لہذا اس مبحث کی مزید دو قسمیں بن جاتی ہیں:

۱۔ پہلی قسم ملکیت کے اعتبار سے

۲۔ دوسری قسم منفعت کے اعتبار سے

ا۔ پہلی قسم ملکیت کے اعتبار سے

ملکیت سے مراد یہ ہے کہ اس مباح اور عام چیز کو آپ اپنی ملکیت میں بھی لا سکتے ہے، لہذا ملکیت کے اعتبار سے مشترکہ عوامی ملکیت کی بہت ساری قسمیں ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ شکار کا لائسنس:

جنگلی حیات یعنی شکار کرنا عام طور پر مشترکہ عوامی ملکیت میں شمار ہوتی ہے۔ یعنی شکار کرنا ہر انسان اور اور ہر فرد کا عمومی حق ہے کہ وہ شکار کرے؛ کیونکہ اللہ تعالی نے شکار کو ہر شخص کے لیے مباح عام قرار دیا ہے۔ لٰہذا کسی حکومت یا گروہ کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ شکار، جو کہ مباح عام ہے، سے روکے یا اس پر پابندی عائد کرے۔ البتہ بعض حکومتوں جیسے پاکستان نے مخصوص علاقوں یا مخصوص جانوروں کے شکار کے لیے مالی معاوضے کے بدلے میں لائسنس جاری کیے ہیں، جو شرعاً درست نہیں ہے۔ تاہم اگر یہ قوانین انتظامی ضروریات یا عوامی مفاد کے پیش نظر بنائے جائیں تو ان کا نفاذ درست ہے۔

لہذا اس کے متعلق مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے فرمایا ہے کہ:

"وما تفلعه بعض الحكومات من قصر حق الاصطياد على من عنده رخصة من قبلها و تعطى هذه الرخصة لقاء عوض مالي ،فانه ظلم لا يجوز ،لان الله سبحانه و تعالى أباح الصيد لكل أحد ،فلا يجوز حجر العامة منه،وكذالك لا جواز لأخذ عوض على منح رخصة الاصطياد"[181]۔

ترجمہ: بعض حکومتیں جو شکار کرنے کا اختیار صرف اُن لوگوں تک محدود کر دیتی ہیں جن کے پاس ان کی طرف سے اجازت نامہ (لائسنس) ہو، اور وہ یہ اجازت نامہ مالی معاوضے کے بدلے دیتی ہیں، تو یہ ظلم ہے اور جائز نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے شکار کو ہر انسان کے لیے حلال قرار دیا ہے، اس لیے عام لوگوں کو اس سے روکنا جائز نہیں۔ اسی طرح شکار کی اجازت دینے پر کوئی معاوضہ لینا بھی جائز نہیں۔

2۔ جنگلات کی لکڑیاں:

جنگلات کی لکڑیاں بھی مباح عام ہیں اور مشترکہ عوامی ملکیت میں آتی ہیں۔ یعنی کوئی فرد یا گروہ جنگلات کی لکڑیوں کو کاٹ

---

[181] عثماني، محمد تقى، فقه البيوع، بيع ما هو مباح الأصل، مكتبة معارف القران، كراتشي، الطبعة، 2010، ج:1، ص:337

کر اسے اپنے قبضے اور ملکیت میں لا کر اس سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ کسی شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ دوسروں کو اس سے روکنے یا منع کرنے کی فوقیت رکھے۔ چنانچہ آج کل حکومت نے جنگلات کی لکڑیوں کے متعلق مختلف قوانین نافذ کیے ہیں اور جنگلات کی لکڑیوں کی کٹائی پر پابندی عائد کی ہے جو کہ شرعاً درست نہیں ہے، البتہ اگر یہ قوانین انتظامی امور یا عوامی مفاد کے لیے ہو کہ جس سے جنگلات کی بے جا ضیاع اور جنگلات کے مکمل ختم ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اس طرح کے قوانین بنانا اور اسے لاگو کرنا درست ہے۔

درالحکام میں علماء نے جنگلات کے لکڑیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ:

"الأشجار التي نبتت من نفسها في الجبال المباحة أي الجبال التي لم تدخل في يد تملك أحد مباحة"[182]

ترجمہ: وہ درخت جو خود بخود اگ آئے ہوں ان پہاڑوں میں جو مباح (یعنی سب کے لیے کھلے) ہوں، یعنی ایسے پہاڑ جو کسی کی ملکیت میں نہ آئے ہوں، وہ (درخت) بھی مباح ہیں"۔

البتہ اگر کسی مملوکہ زمین میں درخت موجود ہوں جو خود بخود اگ آئے ہوں تو ان درختوں سے مالک کی اجازت کے بغیر استفادہ کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

"الأشجار النابتة من نفسها أو المغروسة من أحد وغير معلوم غارسها في ملك أحد هي ملكه وليست مشتركة بين الناس ومباحة لهم فلذلك ليس لآخر احتطابها بدون إذنه"[183]

ترجمہ: وہ درخت جو خود بخود اگے ہوں یا کسی نے لگائے ہوں لیکن لگانے والا معلوم نہ ہو، اگر وہ کسی کی ملکیت والی زمین میں ہوں تو وہ درخت اسی (مالک زمین) کی ملکیت ہوں گے، وہ لوگوں کے درمیان مشترک اور ان کے لیے مباح نہیں ہوں گے۔ اس لیے کسی دوسرے شخص کو بغیر اس (مالک) کی اجازت کے اُن درختوں کی لکڑیاں کاٹنے کا حق نہیں ہے۔

3۔ زمین سے حاصل ہونے والے معدنی وسائل:

زمین سے حاصل ہونے والے جتنے بھی وسائل ہیں جو سارے مباح عام، یعنی مشترکہ عوامی ملکیت کے تصور میں آتی ہے۔

---

[182] درر الحكام في شرح مجلة الأحكام، ج:3-ص:249

[183] ایضا

جیسا کہ کوئلہ، تیل، گیس، وغیرہ ان سب پر عوام کا برابر کا حق ہے اگر کسی کو کسی غیر مملوکہ یعنی مباح عام جگہ سے کوئلہ وغیرہ ملا تو یہ اس کی ملکیت سمجھی جائے گی اور وہ اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔[184]

تاہم، دورِ جدید میں زمین سے ان وسائل کو نکالنا ہر کسی کے لیے ممکن نہیں ہوتا، اور نہ ہی یہ ہر فرد کے بس کی بات ہے کہ وہ خود زمین سے معدنیات حاصل کرے۔ چنانچہ عام طور پر حکومت ایسی زمینوں کو کسی مخصوص کمپنی کو لیز پر دے دیتی ہے جو ان وسائل کو نکالتی ہے اور اس کے بدلے حکومت کو ٹیکس یا مقررہ معاوضہ ادا کرتی ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کے عوام ان وسائل سے مخصوص عوض کے بدلے فائدہ حاصل کرنے پر قادر ہوتی ہے، جبکہ حکومت کو ان زمینوں کے استعمال کا معاوضہ ملتا ہے، اور کمپنیاں ان سے تجارتی فائدہ حاصل کرتی ہیں۔

4۔ٹیوب ویل کا پانی:

پانی بھی عام طور پر مشترکہ اشیاء میں شمار ہوتا ہے، جیسے کہ سمندروں، دریاؤں، بارش، اور چشموں کا پانی۔ یہ سب قدرتی طور پر دستیاب ہیں اور عوام کی مشترکہ ملکیت تصور کیے جاتے ہیں۔ البتہ دورِ حاضر میں پانی کو جدید طریقوں سے زمین سے نکالا جاتا ہے، ان جدید طریقوں میں ایک طریقہ ٹیوب ویل کے نام سے جانا جاتا ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ زمین میں اپنے لیے ٹیوب ویل لگائے تو یہ پانی اس کی ملکیت شمار کی جائے گی۔ لہذا اگر اس پانی کے سوا اس علاقے میں کہیں اور بھی پانی موجود ہو تو زمین کے مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی زمین میں لوگوں کو داخل ہونے سے روکے، لیکن اگر اس علاقے میں کہیں اور پانی موجود نہ ہو تو مالک زمین پر لازم ہے کہ یا تو اس شخص کو اپنی زمین میں داخل ہونے کی اجازت دے اس شرط پر کہ وہ بغیر کسی نقصان کے اپنے لیے پانی لے جائے یا مالک زمین اس شخص کے لیے اپنی زمین سے پانی نکال کر اس شخص کو دے دے۔ کیونکہ مالک زمین کو یہ حق حاصل نہیں ہے لوگوں کو اس پانی سے پینے یا اپنے جانوروں کو پانی دینے سے منع کرے، البتہ اگر کوئی اس پانی سے اپنی زمین سیر اب کرتا ہے تو مالک کو یہ حق ہے کہ اس کو منع کرے۔

چناچہ اس کے متعلق صاحب الدر المختار نے لکھا ہے کہ:

---

[184] ابن تيمية،أحمد ، مجموع الفتاوى، الناشر: مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف - المدينة المنورة — السعودية، الطبعة الأولى ١٤٢٣ هـ - ٢٠٠٣ م.،ج:29،ص:218

"ولو كانت البئر أو الحوض أو النهر في ملك رجل فله أن يمنع مريد الشفقة من الدخول في ملكه إذا كان يجد ماء بقربه فإن لم يجد يقال له) أي لصاحب البئر ونحوه (إما أن تخرج الماء إليه أو تتركه) ليأخذ الماء (بشرط أن لا يكسر ضفته) أي جانب النهر ونحوه (لأن له حينئذ حق الشفقة"[185]

ترجمہ: اور اگر کنواں، حوض یا نہر کسی شخص کی ملکیت میں ہو، تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی ایسے فرد کو جو صرف پانی پینے کی نیت سے آرہا ہو اپنی زمین میں داخل ہونے سے روک دے، بشرطیکہ اسے قریب ہی کسی اور جگہ سے پانی مل سکتا ہو۔ لیکن اگر اُسے قریب میں پانی میسر نہ ہو، تو اس وقت اُس (کنویں یا نہر کے مالک) سے کہا جائے گا کہ: یا تو تُو خود پانی باہر نکال کر اُسے دے، یا پھر اُسے اپنی زمین میں داخل ہونے دے تاکہ وہ خود پانی لے سکے، بشرطیکہ وہ پانی کی نہر یا کنویں کے کنارے کو نہ توڑے۔ کیونکہ ایسی صورت میں اُسے 'حق شُفہ' (یعنی پانی تک رسائی کا شرعی حق) حاصل ہوتا ہے۔"

5۔ ہینڈ پمپ کا پانی:

عصر حاضر میں زمین سے پانی نکالنے کا ایک طریقہ ہینڈ پمپ کا ہے۔ لہذا پانی جو کہ مباح اصل ہے اگر کوئی اپنی زمین میں ہینڈ پمپ لگا لیتا ہے تو اس پانی کو استعمال کرنے میں سب سے اول اور زیادہ حق اس کا ہے۔ اس طرح اگر اس پانی کے آس پاس کہیں اور بھی پانی موجود ہے تو مالک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ لوگوں کو اپنی زمین میں آنے سے روکے۔ لیکن اس کے باوجود مالک کو اس تصرف کا حق حاصل نہیں ہے کہ لوگوں کو اس پانی کے حق شفعہ سے روکے۔[186]

6۔ بڑی ٹینکیوں کا پانی:

عصرِ حاضر میں پانی کی ایک اور جدید صورت بھی رائج ہے کہ لوگ بڑی بڑی پانی کی ٹینکیاں بنا کر اس میں پانی جمع کرتے ہیں۔ یہ پانی عام طور پر ان ٹینکیوں میں بڑے پائپ لائنوں کے ذریعے آتا ہے، جو پانی کی کسی قدرتی یا مصنوعی ذریعے سے منسلک ہوتی ہیں۔ یہ ذخیرہ شدہ پانی ان مخصوص افراد یا ان اداروں کی ملکیت میں ہوتا ہے، جو یہ ٹینکیاں بناتی ہیں، لہذا ان کے لیے یہ پانی فروخت کرنا جائز ہے۔ چنانچہ مالک کی اجازت کے بغیر ان ٹینکیوں سے پانی حاصل کرنا شرعاً درست نہیں ہے؛ کیونکہ یہ پانی محرز پانی کے حکم میں ہے۔

---

[185] رد المحتار على الدر المختار، فصل فی الشرب، ج:6، ص:440

[186] ایضا

اس کے متعلق امام ابو یوسفؒ اپنی مشہور کتاب "کتاب الخراج" میں فرماتے ہے کہ :

"وإن هيأ لَهُ مصنعة فاستقى فيها باوعيته حَتَّى جمع فيها ماء كثير ثُمَّ باع من ذلك فلا باس"[187]

ترجمہ: اور اگر کسی نے (اپنے لیے) ایک حوض یا ذخیرہ (پانی جمع کرنے کی جگہ) تیار کر لیا، پھر اس میں اپنے برتنوں کے ذریعے پانی لا کر جمع کیا، یہاں تک کہ اس میں بہت سا پانی جمع ہو گیا، پھر اس جمع کیے ہوئے پانی میں سے بیچا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

7۔ذخیرہ شدہ پانی:

عصر حاضر میں ایک قسم پانی کی یہ ہے کہ پانی کو مختلف طریقوں سے جمع کر کے اس کو مارکیٹ میں بیچا جاتا ہے، حالانکہ پانی ایک مباح عام چیز ہے، لیکن اس کو جمع کر کے اپنے ملکیت میں لانے کے بعد اس کی خرید و فروخت کرنا بھی جائز ہے۔ عصر حاضر میں بہت ساری کمپنیاں ہیں جو پانی کو جمع کر کے اسے فلٹر کر کے مارکیٹ میں سیل کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ عام طور پر لوگ مختلف فلٹر پلانٹ وغیرہ لگا کر لوگوں کو مخصوص عوض کے بدلے صاف پانی مہیا کرتے ہیں۔ لہذا کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ بغیر اجازت کے اس پانی سے فائدہ حاصل کرے۔ جیسا کہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے لکھا ہے کہ :

"الثاني: الماء المحرز بالأواني والأنابيب في عصرنا، وهو مملوك لمحرزه بالإجماع، فيجوز بيعه"[188]

ترجمہ: دوسری قسم: وہ پانی جو ہمارے دور میں برتنوں اور پائپوں کے ذریعے محفوظ کیا گیا ہو، تو وہ پانی اس شخص کی ملکیت میں آجاتا ہے جس نے اسے محفوظ کیا ہو، اور اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ لہٰذا اس کا بیچنا جائز ہے۔

8۔ماہی گیری کرنا:

ماہی گیری سے مراد مچھلیوں کا شکار ہے۔ لہذا مشترکہ عوامی ملکیت میں، سمندروں یا دریاؤں میں مچھلی وغیرہ کا شکار کرنا بھی شامل ہے۔ مچھلیوں کا شکار کرنا بھی مباح عام ہے اور ہر شخص کو اجازت حاصل ہے کہ وہ دریاوں میں یا سمندر میں مچھلیوں کا شکار کرے۔ البتہ اگر کوئی شخص مچھلیوں کا شکار کر لیتا ہے اور اسے اپنے قبضے میں لے آتا ہے تو کسی کو اجازت نہیں ہے کہ بغیر اجات کے ان

---

187 امام أبويوسف، يعقوب بن إبراهيم،كتاب الخراج، فصل(فِي القنى والآبار والأنهار والشرب)، الناشر : المطبعةالسلفية ومكتبتها القاهرة، الطبعة : الطبعةالثالثة عام 1382هـ ،ج:1،ص:95

188 عثماني،محمد تقى،فقه البيوع،بيع الماء،ج:1،ص:336

میں سے اپنے لیے لے لے۔اس طرح اس شخص کے لیے ان مچھلیوں کو بازار میں منافع پر بیچنا بھی جائز ہے۔[189]

اس کے ساتھ ساتھ سمندروں کے مخصوص علاقے نجی کمپنیوں کو لیز پر دیے جاتے ہیں۔جس میں یہ کمپنیاں ماہی گیری بھی کرتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ سمندر میں مختلف ہیرے، جواہرات اور موتیوں کو ڈھونڈتی ہیں اور اس سے اپنے لیے تجارت کا پہلو ہموار کرتی ہیں۔

9۔جنگلات میں پھل دار درخت:

مشترکہ عوامی ملکیت میں جنگلات کے وہ درخت بھی شامل ہیں جو پھل دار ہوں۔یعنی اگر کوئی شخص کسی بھی مباح عام جگہ میں قدرتی طور لگے ہوئے درخت سے پھل حاصل کر کے اس کو اپنی ملکیت میں لا سکتا ہے، لیکن اگر یہ پھل اس درخت پر لگے ہوں اور کسی نے اتار کر اپنی ملکیت میں نہ لائے ہو تو یہ پھل مباح عام ہے کوئی بھی شخص ان پھلوں سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور اس کو بیچ بھی سکتا ہے، لیکن اگر کسی نے ان درختوں سے یہ پھل اپنے لیے اتار لیے تو پھر یہ پھل مباح عام سے نکل کر کسی ایک فرد یا جماعت کی ملکیت میں داخل ہو جائیں گا۔اس کے بعد کسی کو ان پھلوں میں سے فائدہ حاصل کرنا بغیر مالک کی اجازت درست نہیں ہوگا۔

اس کے متعلق علماء نے "درالحکام" میں لکھا ہے کہ:

"لأي أحد كان أن يقطف فاكهة الأشجار التي في الجبال المباحة وفي الأودية والمراعي التي لا صاحب لها"[190]

ترجمہ: ہر شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ان درختوں سے پھل لے سکتا ہے جو ایسی کھلی چراگاہوں، وادیوں یا پہاڑوں میں ہوں جن پر کسی کی ملکیت نہ ہو، کیونکہ ایسی چیزیں مباح اور عوام کے لیے مشترکہ سمجھی جاتی ہیں۔

10۔شہد کی مکھیاں اور اس کا شہد:

مشترکہ مباح اشیاء میں شہد کی مکھیاں اور اس سے حاصل ہونے والا شہد بھی شامل ہے۔اگر کسی غیر مملوکہ زمین میں یعنی عوامی جگہ پر شہد کی مکھیوں کا چھتہ موجود ہو تو عمومی طور پر یہ عوامی ملکیت میں شمار ہوگا۔لہذا اگر کوئی شخص عوامی جگہ سے اس طرح کا شہد یا ان مکھیوں کو اپنے قبضے میں لے لے تو یہ اس شخص کی ملکیت میں آجائے گی۔اب اس شخص کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ اس کو ہبہ کرے یا بازار میں فروخت کرے؛ کیونکہ اب یہ اس کی ملکیت ہے۔لیکن اگر یہ شہد کی مکھیاں کسی مملوکہ زمین میں اپنا چھتہ بنائیں تو کسی

---

[189] ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾المائدة: 96

[190] درر الحكام في شرح مجلة الأحكام،ج:3،ص:266

کو مالک کی اجازت کے بغیر یہاں سے شہد لینا جائز نہیں ہے۔[191]

11۔قدرتی مشروم:

قدرتی طور پر جو مشروم جنگلوں میں اگنے والا مشروم بھی مشترکہ عوامی ملکیت میں شامل ہے۔ لہذا اگر مباح عام جگہ پر مشروم اگا ہو تو ہر شخص کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اس سے فائدہ حاصل کرے۔البتہ اگر کوئی شخص اسے کاٹ کر اپنے قبضے میں لے آئے تو یہ اس کی ملکیت شمار کی جائے گی۔اس طرح اگر کسی نے خود اپنی زمین میں مشروم کو اگایا ہو یعنی کاشت کیا ہو تو یہ اس کی ملکیت ہو گی نہ کے عوامی ملکیت سمجھی جائے گی۔[192]

12۔بارش کا پانی:

بارش کا پانی بھی عام طور پر مباح اصل ہے، یعنی کہ ہر کوئی اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔لیکن اگر کسی نے بارش کے پانی کو جمع کرنے کے لیے کوئی برتن وغیرہ رکھا تو یہ پانی اس شخص کی ملکیت سمجھی جائے گی، لہذا اس پانی کو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔آج کل یعنی دورِ حاضر میں لوگ بارش کے پانی کو بڑی بڑی ٹینکیوں میں جمع کرتے ہیں، جو کہ ان کی ملکیت شمار کی جاتی ہیں۔اس طرح اگر کسی نے اپنی زمین میں بارش کے پانی کو جمع کرنے کے لیے کوئی حوض وغیرہ بنایا ہے تو اس میں جمع کیا گیا پانی اُس فرد کی ذاتی ملکیت شمار ہو گا، نہ کہ عام لوگوں کی مشترکہ ملکیت، جیسا کہ "صاحب درالحکام" نے لکھا ہے کہ:

"(يقتضي أن يكون الإحراز مقرونا بالقصد، فلذلك لو وضع أحد إناء في محل بقصد جمع مياه المطر فيه فيكون ماء المطر المتجمع في ذلك الإناء ملكه"[193]

ترجمہ: یہ (اصول) تقاضا کرتا ہے کہ کسی چیز کو قبضے میں لینا ارادے (قصد) کے ساتھ ہو، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی جگہ ایک برتن اس نیت سے رکھے کہ اس میں بارش کا پانی جمع ہو، تو اس برتن میں جمع ہونے والا بارش کا پانی اس کی ملکیت شمار ہو گا۔

لیکن اگر کسی جگہ بارش کا پانی خود بخود جمع ہو گیا ہے تو اگر وہ کسی عوامی جگہ پر ہے تو ہر کوئی اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور اگر وہ کسی کی مملوکہ زمین میں ہے تو اس شخص کو صرف لوگوں کو اپنی زمین میں داخل ہونے سے منع کرنے کا حق حاصل ہے، البتہ اگر

---

[191] درر الحكام في شرح مجلة الأحكام، ج:3،ص:309

[192] وليد بن راشد السعيدان،تلقيح الأفهام العلية بشرح القواعد الفقهية،القاعدة الخمسون، ج:3،ص:39

[193] درر الحكام في شرح مجلة الأحكام، ج:3،ص:261

مالک زمین نے کسی کو اپنی زمین میں داخل ہونے کی اجازت دے دی تو اب مالک زمین اس کو اس پانی سے فائدہ حاصل کرنے سے منع نہیں کر سکتا۔

۲۔دوسری قسم منفعت کے اعتبار سے

منفعت سے مراد یہ ہے اس مشترکہ چیز سے آپ نفع حاصل کر سکتے ہیں، لیکن ملکیت میں نہیں لا سکتے، لہذا منفعت کے اعتبار سے مشترکہ عوامی ملکیت کی بہت ساری جدید صورتیں ہیں، جن میں سے چند یا بعض مندرجہ ذیل ہیں:

1۔مساجد:

مشترکہ عوامی ملکیت میں نفع حاصل کرنے اعتبار سے مساجد بھی شامل ہو سکتی ہیں؛ کیونکہ ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ نماز کے کے لیے مسجد میں اور باجماعت نماز ادا کرے اس طرح اس کے ساتھ ساتھ وہاں تلاوت اور ذکر و اذکار کی بھی مکمل اجازت ہے، یعنی کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کے کسی کو مسجد میں نماز پڑھنے یا تلاوت وغیرہ سے روکے۔ البتہ آج کل بعض علاقوں میں مختلف وجوہات کو مد نظر رکھتے ہوئے مسجد کو صرف نماز کے اوقات میں کھولا جاتا ہے اور نماز کا وقت گزرنے کے بعد مسجد کو بند کر دیا جاتا ہے، لیکن اگر کسی جگہ کسی قسم کی مشکلات وغیرہ نہ ہوں تو پھر مسجد کا بند کرنا درست نہیں ہے۔[194]

نیز مسجد عمومی طور پر وقف کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے، لیکن فائدہ حاصل کرنے میں مشترکہ عوامی ملکیت کے تشابہ ہے اس لیے اس کا ذکر کرنا یہاں مناسب سمجھا۔

2۔بجلی:

زمانہ قدیم میں لوگ اپنی بہت ساری ضرورتوں کو آگ کے ذریعے پورا کرتے تھے۔ جیسا کہ آگ کی روشنی میں کوئی کپڑے وغیرہ سینا یا کتاب پڑھنا یا اس سے تپش وغیرہ حاصل کرنا اس کے ماسوا اور بھی بہت ساری ضروتوں کو لوگ آگ سے پورا کرتے تھے۔ جیسا کہ علامہ شامیؒ نے ذکر کیا ہے کہ:

"يعني إذا أوقد نارا في مفازة فإنه تكون مشتركة بينه وبين الناس أجمع، فمن أراد أن يستضيء بضوئها أو يخيط ثوبا حولها، أو يصطلي بها، أو يتخذ منها سراجا ليس لصاحبها منعه، فأما إذا أوقدها في موضع مملوك فإن

[194] شركات العقد في الشرع الإسلامي، المبحث الثالث أقسام الشركة،ص:29

له منعه من الانتفاع بملكه، فأما إذا أراد أن يأخذ من فتيلة سراجه أو شيئا من الجمر فله منعه لأنه ملكه إتقاني عن شيخ الإسلام."[195]

ترجمہ: یعنی اگر کسی شخص نے کسی ویرانے (سنسان جگہ) میں آگ جلائی تو وہ آگ تمام لوگوں کے لیے مشترک ہو جائے گی، پس جو کوئی اس کی روشنی سے فائدہ اٹھانا چاہے، یا اس کے پاس بیٹھ کر کپڑا سیے، یا اس کی گرمی سے حرارت حاصل کرے، یا اس سے چراغ روشن کرے، تو اس (آگ جلانے والے) کو ان لوگوں کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ البتہ اگر اس نے وہ آگ کسی مملوکہ (ذاتی ملکیت والی) جگہ میں جلائی ہو، تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ دوسروں کو اپنے مال سے فائدہ اٹھانے سے روک سکے۔ اور اگر کوئی شخص اس کے چراغ کی بتّی لینا چاہے یا انگارے میں سے کچھ لینا چاہے تو اسے اسے روکنے کا حق حاصل ہے، کیونکہ یہ اس کی ملکیت ہے۔

چنانچہ عصرِ حاضر میں اس طرح کی ضرورتوں، جیسے روشنی میں پڑھنا اور کپڑے سینا، کو ہم بجلی کے ذریعے پورا کرتے ہیں۔ لہٰذا بجلی کو بھی دورِ جدید کی مباح صورتوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ لہذا اگر کسی نے اپنی زمین میں لائٹ وغیرہ جلائی ہے اور اس کی روشنی اس کے متصل کسی غیر مملوکہ یا مملوکہ زمین تک پہنچ رہی ہے تو لائٹ جلانے والے اس بات کا اختیار حاصل نہیں ہے کہ اس شخص کو لائٹ کی اس روشنی کے مستفید ہونے سے منع کرے، البتہ زمین کے مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ لوگوں کو اپنی زمین میں داخل ہونے سے روکے۔ اس طرح اس کے ساتھ ساتھ مالک کی اجازت کے بغیر کسی کی بجلی سے اپنے لیے بجلی حاصل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔[196]

3۔ راستے، روڈ وغیرہ:

زمانہ قدیم میں لوگوں کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ عوامی راستوں سے فائدہ اٹھائیں اور کسی پر کسی قسم کی پابندی وغیرہ عائد نہیں تھی۔ عصرِ حاضر میں اس کی جدید مثال آج کل کے ہمارے روڈ، ہائی ویز، موٹر وے، وغیرہ ہیں۔ لہذا ہر شخص ان سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے کسی کو منع کرنے کا، البتہ ان روڈ اور ہائی ویز، موٹر وے کے لیے ہر ملک نے اپنے مصالحت عامہ کے لیے مختلف ٹریفک قوانین نافذ کیے ہیں، جن کی پاسداری کرنا ہر شہری پر لازم ہے۔ چانچہ اگر کوئی شہری ان قوانین کی خلاف

---

[195] رد المحتار على الدر المختار،فصل فی الشرب،ج:6،ص:440

[196]عثماني،محمد تقی ،فقه البيوع،بيع ما هو مباح الأصل،ج:1،ص:336

ورزی کرتا ہے تو حکومت وقت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس کے خلاف قانونی کاروائی کرے۔البتہ اگر کسی نے کوئی راستہ یا روڈ وغیرہ اپنی مملوکہ زمین میں اپنے لیے بنایا ہو تو پھر اس کی اجازت کے بغیر اس راستے یا روڈ کو استعمال کرنا درست نہیں ہے۔[197]

4۔ پارک اور پلے گراؤنڈ وغیرہ:

مشترکہ عوامی ملکیت میں منفعت کے اعتبار سے دورِ جدید میں مختلف عوامی پارک اور پلے گراؤنڈ یعنی کھیل کے میدان بھی شامل ہیں۔ لہذا ہر فرد ہر جماعت کو ان پارکوں میں بیٹھنے ان میں چہل قدمی وغیرہ کرنے کا حق حاصل ہے۔اس طرح جو کھیل کے میدان عوامی طور پر بنائے ہوان میں ہر کسی کو کھیلنے کا اختیار حاصل ہے۔البتہ بعض پارک یا بعض گراؤنڈ ایسے ہیں جو کسی شخص نے بعرض تجارت بنائے ہوں اور اس کے لیے مخصوص فیس وغیرہ رکھی ہو تو اس میں وہ فیس یا ٹکٹ وغیرہ ادا کرنے کے بغیر جانا درست نہیں ہے۔اس طرح بعض پارک یا کھیل کے میدان حکومت نے بنائے ہوئے ہوتے ہیں اور اس کی باقائدہ خیال رکھنے کے لیے لوگ رکھے ہوئے ہوتے ہیں، جو اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں تو اس صورت میں بھی حکومت کے لیے اجازت ہے کہ اس کا مناسب ٹکٹ وغیرہ رکھے، لہذا پھر کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں رہتا کہ وہ بغیر عوض ادا کیے ہوئے اس جگہ سے فائدہ حاصل کرے۔[198]

5۔ بازار:

بازار بھی مشترکہ عوامی ملکیت میں شمار کیا جا سکتا ہے؛ کیونکہ بازار بھی عوام الناس کی ضروریات کے لیے بنایا جاتا ہے اور یہاں ہر شخص کو خرید و فروخت کی اجازت حاصل ہوتی ہے۔ یہاں کسی بھی شخص کو یہ حق حاصل نہیں رہتا کہ کسی کو خرید و فروخت سے روکے۔البتہ عصرِ حاضر میں بازار میں مختلف مارکیٹ اور دکانیں وغیرہ بنائی جاتی ہے تو جو شخص مارکیٹ میں دکان کی سہولت حاصل کرے گا وہ اس مالک کو کچھ عوض بطورِ کرایہ کے ادا کرے گا۔اس طرح بعض اداروں نے بازار کے لیے کچھ اصول اور ضوابط نافذ کئے ہوتے ہیں، جن میں عوام کی مصلحت مد نظر رکھی ہوئی ہوتی ہے۔ لہذا ان اصول اور ضوابط کی پاسداری کرنا ہر فرد پر لازم ہے۔[199]

---

[197] شركات العقد في الشرع الإسلامي، المبحث الثالث أقسام الشركة،ص:29

[198] ایضا

[199] ایضا

6۔ قدرتی ندی نالے:

مشترکہ عوامی ملکیت میں منفعت کے لحاظ سے قدرتی ندی نالے بھی شامل ہیں؛ کیونکہ عام طور پر یہ کسی ایک فرد کی ملکیت نہیں ہوتے، بلکہ قدرتی طور پر پانی کے ذخائر ہوتے ہیں۔ جن سے عوام الناس فائدہ اٹھا سکتے ہیں، یعنی ہر شخص کو اس ندی نالے سے حق شفعہ اور حق شرب دونوں حاصل ہے۔[200]

7۔ آن لائن علمی ذخائر اور ڈیجیٹل لائبریریاں:

آن لائن علمی ذخائر اور ڈیجیٹل لائبریریاں بھی مشترکہ عوامی ملکیت میں آتی ہے؛ کیونکہ اس سے دنیا بھر کے لوگ گھر بیٹھے مستفید ہوتے ہیں۔ یہ آن لائن علمی ذخائر اور ڈیجیٹل لائبریریاں قدیم لائبریریوں کا جدید اور بہترین متبادل ہیں۔ جو مختلف کتابیں، تحقیقات، علمی رسائل وغیرہ آئن لائن مہیا کرتی ہیں۔ اس طرح یہ لائبریریاں یا یہ علمی ذخائر مختلف جامعات، اداروں اور حکومتی سطح پر قائم ہوتی ہیں۔ ان کا بھی بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر فرد کا علمی اور تحقیقی کتابوں اور رسالوں تک رسائی نہایت اسان اور سہل ہو جائے۔ ان میں سے اکثر فری ہوتی ہیں، لیکن بعض ایسی بھی ہوتی ہیں، جو سبسکرپشن یا ممبر شپ کے بغیر دستیاب نہیں ہوتیں۔[201]

8۔ سرکاری لائبریریاں:

سرکاری لائبریریاں بھی عام طور پر مشترکہ عوامی ملکیت میں منفعت کے لحاظ سے شمار کی جاسکتی ہیں؛ کیونکہ یہ عوام الناس کے لیے مختلف سطح پر علمی اور تحقیقی پلیٹ فارم مہیا کرتی ہیں۔ جن میں ہر شخص کو یہاں آنے کی اور یہاں سے علمی یا تحقیقی فائدہ حاصل کرنے کی اجازت ہوتی ہے اور کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا کہ وہ وہاں کسی کو آنے سے منع کرے۔ اسی طرح اگر کوئی ایسی عام جگہ میں پہلے آکے بیٹھ جائے تو کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس کو وہاں سے اٹھائے۔

علامہ عبدالمحسن بن عبداللہ الزامل نے اپنی کتاب " شرح القواعد السعدية " میں لکھا ہے کہ:

---

[200] شركات العقد في الشرع الإسلامي، المبحث الثالث أقسام الشركة، ص:29

[201] الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الأحكام السلطانية، الباب الثامن عشر: في وضع الديوان وذكر أحكامه، الناشر: دار الحديث – القاهرة، ص:297

"ومنها – أيضا – السبق إلى حلق العلم للجلوس فيها، فمن سبق لما مكان فهو أحق به ما لم يقم منه، إلا إن كان يريد الرجوع فهو أحق به، وكذلك الأماكن في الصلاة من سبق فهو أحق بها"[202]

ترجمہ: اسی طرح (مشترکہ چیزوں میں سے) علم کے حلقے میں بیٹھنے کی جگہ بھی ہے۔ جو شخص پہلے آکر کسی جگہ پر بیٹھ جائے، وہ اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے جب تک کہ وہ وہاں سے اٹھ نہ جائے۔ ہاں، اگر وہ وقتی طور پر اٹھا ہے اور واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو تب بھی وہی اس جگہ کا زیادہ حق دار ہوگا۔ اسی طرح نماز کی جگہوں میں بھی، جو پہلے آجائے، وہی اس جگہ کا حق دار ہوتا ہے۔

چنانچہ ان کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کے معاشرے میں مساوی علم کو فروغ ملے اور لوگ جہالت سے نکل کر علم و عمل کی روشنی کی طرف آجائیں۔ یہ لائبریریاں حکومتی سطح پر قائم ہوتی ہیں اور عام لوگوں کے لیے کھلی ہوتی ہیں۔ البتہ اس کے ساتھ ساتھ ان لائبریریوں سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے مختلف اصول اور ضوابط نافذ کیے ہوتے ہیں، جیسے کتابوں کی حفاظت کرنا، ان کو ٹائم سے واپس کرنا وغیرہ ان اصل اور ضوابط کا خیال رکھنا بھی یہاں کے طالب علم پر لازمی ہے۔ اس طرح بعض لائبریریاں مخصوص ممبر شپ یا رجسٹریشن فیس کے تحت چلتی ہیں اور لوگوں کو یہ موقع فراہم کرتی ہیں۔

9۔ سرکاری ہسپتال:

سرکاری ہسپتال بھی مشترکہ عوامی ملکیت میں منفعت لے لحاظ سے شامل ہیں؛ کیونکہ یہ ادارے حکومت کی طرف سے عوام کی فلاح و بہبود اور ان کی لیے صحت کے سہولیات فراہم کرنے کے لیے قائم کیے جاتے ہیں۔ ان اداروں کا بنیادی مقصد عام عوام الناس اور خاص طور پر ان لوگوں کو علاج، دوائیں، اور دیگر طبّی سہولیات کم یا بغیر کسی قیمت کے فراہم کرنا ہوتا ہے، جو نجی ہسپتالوں کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے۔ اس طرح سرکاری ہسپتالوں میں ہر شہری کو علاج کرانے کا بنیادی اور برابر حق حاصل ہوتا ہے۔

علامہ ابوالحسن الماوردیؒ اپنی مشہور کتاب "الاحکام السلطانیۃ" میں لکھتے ہے کہ:

"وكل حق وجب صرفه في مصالح المسلمين فهو حق على بيت المال"[203]

---

[202] عبد المحسن بن عبد الله الزامل، شرح القواعد السعدية،القاعدة الرابع و العشرون، الناشر: دار أطلس الخضراء للنشر والتوزيع، الرياض – المملكة العربية السعودية، الطبعة: الأولى، ١٤٢٢ هـ – ٢٠٠١ م،ص:180

[203] الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الأحكام السلطانية، الباب الثامن عشر: في وضع الديوان وذكر أحكامه، الناشر: دار الحديث – القاهرة،ص:297

ترجمہ: ہر وہ حق جس کا خرچ مسلمانوں کی بھلائی اور اجتماعی مصلحت پر کرنا ضروری ہو، وہ بیت المال پر واجب حق ہے۔

چنانچہ سرکاری ہسپتال دراصل مباحاتِ عامہ اور مرافقِ عامہ میں سے ہیں، کیونکہ ان کا فائدہ پورے معاشرے کو بلا امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ صحت اور علاج انسانی زندگی کے تحفظ کے لیے بنیادی ضرورت ہیں، جو شریعت کے مقاصدِ خمسہ میں سے ایک (حفظ النفس) ہے۔ جب عام افراد نجی ہسپتالوں کے بھاری اخراجات برداشت نہیں کر سکتے تو ان کی یہ ضرورت براہِ راست بیت المال کی ذمہ داری قرار پاتی ہے۔ اس اعتبار سے سرکاری ہسپتال اس فقہی قاعدے کی عملی صورت ہیں کہ جو بھی حق مصالحِ عامہ کے لیے ضروری ہو وہ بیت المال کے ذمہ ہے۔

10۔ سرکاری تعلیمی ادارے:

عصرِ حاضر میں سرکاری تعلیمی ادارے بھی مشترکہ عوامی ملکیت میں منفعت کے اعتبار سے شامل ہیں؛ کیونکہ یہ ادارے حکومت کی طرف سے عام لوگوں کو تعلیم فراہم کرنے کے لیے قائم ہوتے ہیں۔ ان اداروں میں عام طور پر مفت یا کم فیس میں معیاری تعلیم فراہم کی جاتی ہے تاکہ ہر فرد، خصوصاً کمزور اور متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے طلبہ، تعلیم حاصل کر سکیں اور معاشرے میں ایک بہتر مقام حاصل کریں۔ اس طرح ان تعلیمی اداروں میں پرائمری لیول سے لے کر یونیورسٹی لیول تک کے ادارے شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے دیگر سرکاری ادارے بھی موجود ہے جو لوگوں کو مختلف ٹیکنکل سکلز سکھاتے ہیں۔ یہ ادارے عام لوگوں کو ہنر منداور عملی مہاتیں سکھانے میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں، تاکہ مستقبل میں ان کو باآسانی کوئی روزگار مہیا ہو اور ان کی معاشی حالات اور زندگی بہتر سے بہتر ہو سکے۔[204]

[204] الأحكام السلطانية، الباب الثامن عشر: في وضع الديوان وذكر أحكامه، ص:297

باب سوم: مشترکہ عوامی ملکیت سے متعلق پاکستانی قوانین کا شرعی تجزیہ

فصل اول: ملکیت کے اعتبار سے موجود پاکستانی قوانین کا شرعی تجزیہ

فصل دوم: منفعت کے اعتبار سے موجود پاکستانی قوانین کا شرعی تجزیہ

فصل اول: ملکیت کے اعتبار سے موجود پاکستانی قوانین کا شرعی تجزیہ

فصل اول: ملکیت کے اعتبار سے موجود پاکستانی قوانین کا شرعی تجزیہ

گزشتہ باب میں مشترکہ عوامی ملکیت کی جدید صورتوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جا چکا ہے۔ اب اس باب میں ان جدید مالیاتی تصورات کے حوالے سے مروجہ پاکستانی قوانین کا مطالعہ کیا جائے گا۔ ریاستِ پاکستان نے بدلتے ہوئے تجارتی تقاضوں اور اقتصادی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے بعض ایسے قانونی ڈھانچے تشکیل دیے ہیں، جو بظاہر اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ تاہم ان قوانین کا حقیقی شرعی مقام متعین کرنا ایک ناگزیر علمی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس فصل میں شرکت اباحت سے متعلقہ پاکستانی قوانین کو پیش کر کے ان کا شرعی تجزیہ کیا جائے گا، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ یہ قوانین اسلامی تعلیمات کی روح کے کس حد تک مطابق ہیں، اور کن پہلوؤں میں مزید اصلاح یا اجتہادی وسعت کی گنجائش باقی ہے۔

اسلامی فقہ میں "مشترکہ عوامی ملکیت" ایک اہم موضوع ہے، جس کا تعلق عوامی مفاد، قدرتی وسائل، اور اجتماعی حقوق سے ہے۔ شریعت نے ان اشیاء کی ملکیت، استعمال اور تقسیم کے اصول واضح طور پر بیان کیے ہیں، تاکہ عدل، توازن اور اجتماعی فلاح کا نظام قائم رہ سکے۔ تاہم جب ہم پاکستانی ریاست کے موجودہ قانونی نظام میں مشترکہ اشیاء کے متعلق ضوابط کا مطالعہ کرتے ہیں تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان قوانین کی نوعیت، حیثیت اور قانونی بنیاد کو اچھی طرح سمجھیں تاکہ ان کا شرعی نقطۂ نظر سے تجزیہ مؤثر اور متوازن ہو سکے۔

اس باب کا مقصد یہی ہے کہ پاکستان میں مشترکہ اشیاء سے متعلق جو قوانین رائج ہیں، ان کا جائزہ شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں لیا جائے۔ لیکن اس مقصد کے حصول کے لیے اولین ضرورت یہ ہے کہ ہم ان بنیادی قانونی اصطلاحات کو سمجھیں جن کے تحت یہ قوانین وجود میں آتے ہیں، مثلاً "ایکٹ"، "بل"، "آرڈیننس" اور "آئین" وغیرہ۔ ان اصطلاحات کا صحیح فہم نہ صرف قانونی متون کو سمجھنے میں معاون ہوتا ہے، بلکہ یہ امر بھی واضح کرتا ہے کہ آیا کوئی مخصوص قانون اسلامی اصولوں سے مطابقت رکھتا ہے یا اس میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس باب کے آغاز میں ہم ان اہم قانونی اصطلاحات کی وضاحت پیش کریں گے، تاکہ بعد کے شرعی تجزیے کی بنیاد واضح اور مربوط ہو۔ لہذا وہ قانونی اصطلاحات مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔بل(Bill) :

"بل" ایک مجوزہ قانون ہوتا ہے جو ابھی تک پارلیمنٹ یا کسی قانون ساز ادارے سے منظور نہیں ہوا ہوتا۔ یہ ایک تحریری دستاویز ہوتی ہے جس میں کسی نئے قانون کو بنانے، کسی پرانے قانون میں ترمیم کرنے، یا اسے ختم کرنے کی تجویز دی جاتی ہے۔

۲۔ایکٹ(Act) :

"ایکٹ" کسی بل کی وہ شکل ہے جو پارلیمنٹ یا کسی قانون ساز ادارے سے منظور ہو کر باقاعدہ قانون کی صورت اختیار کر لے۔

یعنی بل کو قومی اسمبلی، سینٹ یا کسی صوبائی اسمبلی میں پیش کیا جاتا ہے۔ اگر یہ بل دونوں ایوانوں کی منظوری حاصل کر لے اور صدرِ مملکت (یا گورنر، صوبائی سطح پر) کی منظوری بھی حاصل ہو جائے، تو یہ "ایکٹ "بن جاتا ہے۔[205]

۳۔آرڈیننس(Ordinance) :

"آرڈیننس "ایک عارضی قانون ہوتا ہے جو صدرِ مملکت یا صوبائی گورنر کی طرف سے اس وقت جاری کیا جاتا ہے جب پارلیمنٹ یا متعلقہ اسمبلی کا اجلاس نہ ہو رہا ہو اور فوری قانون سازی کی ضرورت ہو۔

آئینِ پاکستان 1973 کے آرٹیکل 89 کے تحت صدرِ مملکت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ایمرجنسی کی صورت میں ایک آرڈیننس جاری کرے جو محدود مدت (عمومی طور پر 120 دن) کے لیے مؤثر ہوتا ہے۔ لہذا اگر اسمبلی اس دوران اس آرڈیننس کو منظور کر لے، تو وہ باقاعدہ قانون بن جاتا ہے، ورنہ اس کی مدت ختم ہو جاتی ہے۔[206]

۴۔آئین(Constitution of Pakistan) :

آئین وہ بنیادی قانونی دستاویز ہے جو ریاست کے نظامِ حکومت، اس کے اداروں کے اختیارات، شہریوں کے حقوق و ذمہ داریوں، اور ریاست و فرد کے تعلقات کو واضح کرتی ہے۔ یہی دستاویز تمام دیگر قوانین کی بنیاد اور اصل ماخذ قرار دی جاتی ہے۔[207]

---

https://openparliament.pk/how-parliament-functions/bill-to-an-act Last access 12 September 2025[205]
CONSTITUTION OF PAKISTAN Article 89[206]
What is a Constitution Principle And Concepts,International IDEA,August,2014[207]

The International Institute for Democracy and Electoral Assistance (International IDEA) is an intergovernmental organization with a mission to support sustainable democracy worldwide.

۵۔پاکستان پینل کوڈ(Pakistan Penal Code - PPC) :

پاکستان پینل کوڈ1860ء میں مرتب کیا گیا(اس وقت برصغیر میں انگریزوں کی حکومت تھی)۔یہ فوجداری قانون (criminal law)کابنیادی ضابطہ ہے جو پاکستان میں جرائم اوران کی سزاؤں کی وضاحت کرتا ہے۔[208]

اسی طرح مزید کچھ اصطلاحات کی توضیح اوران کے درمیان کچھ اعتبار سے فرق کرنا ممکن ہے وہ بھی مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔مشترکہ عوامی ملکیت(مباحات عامہ):

شریعت نے کچھ اشیاء کو عوام الناس کے لیے مباح قرار دیا ہے،یعنی کوئی بھی شخص ان سے فائدہ اٹھاسکتا ہے یاان اشیاء کو اپنی ملکیت میں لاسکتا ہے۔مثال کے طور پر، کھلے پانی کے چشمے،جنگلات سے خشک لکڑی لینا،یاایسی زمین جس پر کسی کی ملکیت نہ ہو،ان سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہوتی ہے۔یہ سب چیزیں اس وقت تک مباح رہتی ہیں جب تک کوئی فرد یاحکومت ان پر مخصوص حق ملکیت قائم نہ کرلے اس طرح کی اشیاء کو مباح عامہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲۔سٹیٹ اونڈپراپرٹی(State-owned property)

سٹیٹ اونڈپراپرٹی کے تحت ان اشیاء کو لایا جاسکتا ہے جو مکمل طور پر سٹیٹ کے کنڑول میں ہوں سٹیٹ ہی اس کو استعمال کرتے ہوں۔مثال کے طور پر سرکاری دفاتر کے لیے بنائی گئی عمارتیں وغیرہ۔

"means all property lawfully designated by the state for its own use; all property dedicated to the state and all property for which there is no other owner."[209]

"وہ تمام جائیداد جو قانون کے تحت ریاست کے اپنے استعمال کے لیے مقرر کی گئی ہو؛وہ تمام جائیداد جو ریاست کو وقف کی گئی ہوں اور وہ تمام جائیداد جس کا کوئی اور مالک نہ ہو"۔

---

[208] Pakistan Penal Code (PPC) 1860: Key Sections, Laws & Punishments Explained last access 17 june 2025

[209] https://regulations.justia.com/states/oklahoma/title-260/chapter-95/subchapter-3/section-260-95-3-2 last access 1 September 2025/

آرٹیکل 172 کی وضاحت:

آئینِ پاکستان کا آرٹیکل 172 ملک کے قدرتی وسائل اور بے مالک جائیداد کی ملکیت کے تعین کے حوالے سے ایک بنیادی قانونی فریم ورک فراہم کرتا ہے۔ اس شق کے مطابق جو جائیداد کسی ذاتی فرد یا ادارے کی ملکیت نہ ہو، اگر وہ کسی صوبے کی حدود میں واقع ہے تو وہ صوبائی حکومت کی ملکیت ہوگی اور اگر صوبائی دائرہ کار سے باہر ہو تو وفاقی حکومت کے پاس ہوگی۔ مزید برآں، براعظمی شیلف، سمندری حدود اور ان سے باہر پائے جانے والے معدنیات و وسائل وفاق کی ملکیت قرار دیے گئے ہیں، جبکہ معدنی تیل اور قدرتی گیس کو صوبوں اور وفاق دونوں کی مشترکہ اور مساوی ملکیت تسلیم کیا گیا ہے۔ اس آرٹیکل کی رو سے پاکستان میں وسائل کی تقسیم اور ملکیت کا ایک واضح قانونی ڈھانچہ سامنے آتا ہے جو وفاق اور صوبوں کے درمیان اختیارات کے توازن اور عوامی مفادات کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے نہایت اہم ہے۔[210]

لہذا آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 172 کے تحت جو زمین یا جائیداد بے مالک ہو وہ ریاست (صوبہ یا وفاق) کی ملکیت قرار دی جاتی ہے۔ شریعت کے مطابق بھی ایسی زمینیں اور وسائل جن کا کوئی ذاتی مالک نہ ہو، دراصل مباحاتِ عامہ میں شمار ہوتے ہیں اور ان کی اصل ملکیت عوام کے لیے ہوتی ہے، البتہ ان کا انتظام اور نظم ریاست کو بطور امین حاصل ہوتا ہے، تاکہ وہ عوامی مفاد کے مطابق ان سے فائدہ اٹھا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہی اصول کے تحت یہ سب چیزیں دراصل بیت المال کے دائرے میں آتی ہیں اور ریاست ان کی مالک حقیقی نہیں، بلکہ نگران اور محافظ ہوتی ہے۔ دوسری طرف فقہ اسلامی میں إحیاء الموات کا اصول بھی موجود ہے جس کے مطابق اگر کوئی فرد بے آباد زمین کو زندہ کرے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے۔

اس کے متعلق علامہ ابن حجرؒ فتح الباری میں نقل کرتے ہے کہ:

"والمرادُ بِهِ ما يَخُصُّ به الإمام بعضَ الرعية من الأرض الموات فيَختصُّ به ويصيرُ أولى بإحيائه ممن لم يسبق إلى إحيائه "[211]

ترجمہ: اور اس سے مراد وہ زمین ہے جس کو امام (حاکم) رعایا میں سے بعض افراد کو خاص طور پر عطا کرے، تو وہ شخص اس زمین میں خاص حق دار ہو جاتا ہے اور اسے زندہ کرنے (آباد کرنے) کا دوسروں کی نسبت زیادہ حق حاصل ہو جاتا ہے، بنسبت اس کے جو اس کو آباد کرنے میں سبقت نہ لے جاسکے۔

---

[210] CONSTITUTION OF PAKISTAN,Article 172

[211] فتح الباري بشرح البخاري، كتاب المساقاة، باب القطائع، ج:5، ص:47

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ریاست کو اختیار ہے کہ ایسی زمین کسی شخص یا ادارے کو آباد کرنے کے لیے دے، اور پھر وہی اس کا مستحق مالک ہوگا۔اس طرح آئینِ پاکستان کا یہ اصول کہ بے مالک زمین ریاست کے پاس ہوگی، دراصل شریعت کے دونوں اصولوں سے ہم آہنگ ہے اگر زمین کو کوئی فرد آباد کرے تو وہ اس کا ذاتی مالک ہوگا، اور اگر نہ کرے تو وہ ریاست کی نگرانی میں مباحات عامہ کے حکم میں رہے گی تاکہ اجتماعی مفاد کے لیے استعمال ہو۔

۳۔پبلک پراپرٹی(Public property)

"Public property" means any property, whether immovable or movable (including any machinery) which is owned by, or in the possession of, or under the control of

(i) the Central Government; or

(ii) any State Government; or

(iii) any local authority; or

(iv) any corporation established by, or under, a Central, Provincial or Stale Act; or

(v) any company as defined in Sec. 617 of the Companies Act, 1956; or

(vi) any institution, concern or undertaking which the Central Government may, by notification in the Official Gazette, specify in this behalf."[212]

"عوامی ملکیت" سے مراد ایسی کوئی بھی جائیداد ہے جو منقولہ (جیسے مشینری وغیرہ) یا غیر منقولہ (جیسے زمین، عمارت وغیرہ) ہو اور جو درج ذیل میں سے کسی کی ملکیت میں ہو، یا اس کے قبضے یا اختیار میں ہو، جیسے، وفاقی حکومت، کوئی صوبائی حکومت، کوئی مقامی اتھارٹی ایسا ادارہ یا کارپوریشن جو کسی مرکزی، صوبائی یا ریاستی قانون کے تحت قائم کی گئی ہو، کوئی ایسی کمپنی جو "کمپنیز ایکٹ 1956" کی دفعہ 617 کے تحت بیان کی گئی ہو یا کوئی ادارہ، تنظیم یا کاروبار جسے وفاقی حکومت سرکاری گزٹ میں نوٹیفکیشن کے ذریعے اس میں شامل کرے۔"

Prevention of Damage to Public Property Act, 1984[212]

سٹیٹ پراپرٹی، پبلک پراپرٹی اور مباحاتِ عامہ میں فرق:

سٹیٹ پراپرٹی سے مراد وہ جائیداد یا وسائل ہیں جو براہِ راست ریاست کی ملکیت میں ہوں اور سرکاری انتظامیہ یا اداروں کی ضروریات کے لیے مخصوص ہوں، جیسے فوجی تنصیبات، سرکاری دفاتر اور اسلحہ ساز فیکٹریاں۔ ان وسائل کا استعمال عام شہریوں کے لیے مباح نہیں، بلکہ ریاستی نظم و نسق اور حکومتی کاموں کے لیے محدود ہوتا ہے۔ اس کے برعکس پبلک پراپرٹی وہ جائیداد ہے جو اگرچہ ریاست کے انتظام و کنٹرول میں ہو، لیکن اس کا مقصد عوامی فلاح اور عمومی مفاد ہوتا ہے، مثلاً سڑکیں، پارک، ہسپتال اور تعلیمی ادارے۔ اس کا استعمال عوام کے لیے عام ہوتا ہے، مگر ریاست قانونی ضابطوں کے تحت اس پر نگرانی رکھتی ہے۔ جبکہ مشترکہ عوامی ملکیت (مباحاتِ عامہ) ایسی اشیاء اور وسائل ہیں جو شریعت کے مطابق کسی شخص یا ریاست کی ملکیت میں نہیں، بلکہ تمام انسانوں کے لیے یکساں مباح ہیں، جیسے سمندر، بارش کا پانی، قدرتی چراگاہیں اور غیر آباد زمینیں۔ ان پر کسی کا انفرادی یا حکومتی ملکیتی حق نہیں ہوتا، البتہ ریاست ان کے منصفانہ استعمال اور تحفظ کے لیے انتظامی پابندیاں لگا سکتی ہے۔

نیز وہ جگہ جو بنجر زمین ہو یعنی بے آباد ہو تو اس کو بھی مباح عامہ میں شامل کیا جا سکتا ہے اور کوئی بھی شخص یہاں جا کر اپنے لیے زمین قبضے میں لا کر اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے جس طرح فقہ کا مشہور قاعدہ ہے کہ:

"كل من سبق إلى موضع فهو أحق به"[213]

یعنی جو شخص کسی مباح جگہ پہلے سبقت لے جائے وہ اس کی ہی ہے۔

یعنی مباح جگہ وہ جگہ ہو سکتی ہے جو کسی کے قبضے میں نہ اور اس جگہ کو کوئی استعمال بھی نہ کرتا ہوں۔ مزید اس میں جنگلات وغیرہ بھی شامل ہیں ما قبل میں "جنگلات کی لکڑیوں" کے عنوان کے تحت اس پر تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

زمانہ نبوی ﷺ اور عصر حاضر سے کچھ مثالیں:

آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

"عن ابن عباس رضي الله عنهما أن الصعب بن جثامة قال إن رسول الله ﷺ؟ قال لا حمى إلا لله ولرسوله

[213] المبسوط، ج:23، ص:164

وقال أبو عبد الله بلغنا أن النبي؟ حمى النقيع وأن عمر حمى السرف (الشرف) والربذة"[214]

ترجمہ:'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'حمی صرف اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔ اور امام ابو عبد اللہ (امام بخاریؒ) نے کہا: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے 'نقیع' کو حمی قرار دیا، اور عمرؓ نے "سَرَف (یا شَرَف)" اور "رَبَذہ" کو حمی بنایا"۔

اسلامی تاریخ میں حمی (یعنی ایسی زمین یا چراگاہ جسے ریاست عوامی یا فوجی مفاد کے لیے محفوظ قرار دے) کا تصور زمانۂ نبوی ﷺ سے ملتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے "وادی النقیع" کو مسلمانوں کے فوجی گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے محفوظ قرار دیا تاکہ جہاد اور دفاع کی تیاری کے جانور اچھی طرح پرورش پا سکیں۔ بعد ازاں سیدنا عمر فاروقؓ نے بھی خلافت کے دور میں مزید چراگاہیں (حمی) قائم کیں، جیسے الربذة اور الشَّرف، تاکہ بیت المال کے اونٹوں اور زکوٰۃ کے جانوروں کی حفاظت اور نشو و نما ممکن ہو سکے۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ مباح عام جگہ پر ریاست کچھ انتظامی امور کی وجہ سے پابندی عائد کر کے اپنی تحویل میں لے سکتی ہے اسی تحویل کو عربی میں "حمی" اور آجکل عصر حاضر میں پبلک پراپرٹی سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

حمی کا اصل معنی کے حوالے سے علامہ ابن حجرؒ اپنی مشہور تصنیف "فتح الباری" می لکھتے ہے کہ:

"قوله : (لا حمى) أصل الحمى عند العرب أن الرئيس منهم كان إذا نزل منزلا مخصبا استعوى كلبا على مكان عال فإلى حيث انتهى صوته حماه من كل جانب فلا يرعى فيه غيره ويرعى هو مع غيره فيما سواه والحمى هو المكان المحمي وهو خلاف المباح، ومعناه أن يمنع من الإحياء من ذلك الموات ليتوفر فيه الكلأ فترعاه مواش مخصوصة ويمنع غيرها، والأرجح عند الشافعية أن الحمى يختص بالخليفة، ومنهم من ألحق به ولاة الأقاليم، ومحل الجواز مطلقا أن لا يضر بكافة المسلمين. "[215]

یعنی کہ عربوں کے ہاں حمی (محفوظ چراگاہ) کی اصل یہ تھی کہ ان کا کوئی سردار جب کسی زرخیز جگہ پر اترتا تو ایک کتے کو کسی

---

[214]صحيح البخاري، كتاب المساقاة، باب لا حمى إلا لله ولرسوله، رقم الحديث:2370، ج:3، ص:113

[215]ابن حجر العسقلاني، أحمد بن علي، فتح الباري بشرح البخاري، بَاب لَا حِمَى إِلَّا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ ﷺ، الناشر: المكتبة السلفية – مصر، الطبعة: «السلفية الأولى»، ١٣٨٠، ج:5، ص:44

اونچی جگہ پر بھونکنے کو چھوڑ دیتا، اور جس حد تک اس کی آواز پہنچتی، وہ ساری جگہ اپنے لیے محفوظ کر لیتا۔ وہاں کوئی اور چر نہیں سکتا تھا، البتہ وہ خود دوسروں کے ساتھ باقی چراگاہوں میں چر سکتا تھا۔

لہذا "حِمی" اس محفوظ جگہ کو کہا جاتا ہے جو عام استعمال (مباح) کے برعکس مخصوص کر دی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مردہ زمین (موات) کو آباد ہونے سے روک دیا جائے تاکہ وہاں گھاس زیادہ ہو جائے اور خاص جانور اس میں چر سکیں، جبکہ دوسروں کو روک دیا جائے۔ البتہ شافعی فقہاء کے نزدیک زیادہ درست بات یہ ہے کہ حِمی صرف خلیفہ کے لیے خاص ہے۔ بعض نے کہا کہ صوبوں کے گورنر بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اور جواز کی شرط ہر حال میں یہ ہے کہ یہ عام مسلمانوں کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔

مذکورہ بالا تفصیل اسلامی تاریخ میں حِمی کا تصور اجتماعی مفاد کے لیے مخصوص زمین کو محفوظ قرار دینے سے متعلق ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے وادی نَقیع کو مسلمانوں کے گھوڑوں کے لیے حِمی بنایا اور سیدنا عمرؓ نے رَبذہ اور شَرَف کو بیت المال کے جانوروں کے لیے محفوظ قرار دیا۔ اسی اصول کی ایک جھلک آج کے دور میں بھی نظر آتی ہے، مثلاً پاکستان میں ہنگول نیشنل پارک، چولستان گیم ریزرو، اور مختلف ریزرو یا پروٹیکٹڈ فارسٹ اسی نوعیت کی زمینیں ہیں جو عوامی مفاد، قدرتی وسائل کے تحفظ، اور ماحولیاتی توازن کے لیے مخصوص کی گئی ہیں۔ جیسے ماضی میں حِمی کا مقصد گھاس اور چراگاہ کو محفوظ رکھ کر جانوروں اور فوجی ضرورتوں کی کفالت تھا، ویسے ہی آج ان محفوظ علاقوں کا مقصد جنگلی حیات، جنگلات، اور قومی سرمائے کو عام تباہی سے بچانا اور آئندہ نسلوں کے لیے ان کی بقا کو یقینی بنانا ہے۔[216]

پاکستان میں پبلک پراپرٹی کا غیر قانونی استعمال:

پاکستان میں پبلک پراپرٹی کے غیر قانونی استعمال کا مسئلہ ایک سنگین اور اہم نوعیت کا ہے، جس کے نتیجے میں عوامی حقوق اور شہری سہولتیں بری طرح متاثر ہوتی ہیں۔ عوامی مقامات جیسے پارکس، پلے گراؤنڈز، فٹ پاتھ، سڑکیں اور سہولتوں کے پلاٹس دراصل اجتماعی مفاد کے لیے مخصوص کیے جاتے ہیں، لیکن اکثر ان پر تجاوزات، غیر قانونی کیبن، یا تجارتی سرگرمیوں کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ اس عمل میں بعض اوقات سرکاری اداروں کی نااہلی یا بدعنوانی بھی شامل ہوتی ہے، جس کے باعث عوام اپنے بنیادی

---

[216] https://thelandofpurepeople.com/list-of-national-parks-of-pakistan last access 2 September 2025

شہری حقوق سے محروم رہ جاتے ہیں۔ عدالتی فیصلے بارہا یہ واضح کر چکے ہیں کہ پبلک پراپرٹی کسی فرد یا ادارے کے ذاتی مفاد کے لیے استعمال نہیں کی جا سکتی، بلکہ اس کا اصل مقصد اجتماعی فلاح اور شہری سہولتوں کا تحفظ ہے۔ لہذا اس طرح کے فیصلے بہت ہیں، جس میں غیر قانونی طور پر لوگ مشترکہ ملکیت کو اپنی ذاتی ملکیت بنا دیتے ہیں اور پھر اسی پر کسی ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کا آڈر آ کر اس جگہ کو عوامی مفاد کے لیے بحال کر دیتا ہے جیسا کہ:

کراچی میں نومبر 2017 میں سپریم کورٹ نے کراچی شہر میں بڑھتی ہوئی تجاوزات اور عوامی پارکس و سہولتوں کے پلاٹس پر کیبن شاپس کے قیام کا نوٹس لیا۔ اُس وقت دو رکنی بینچ (جسٹس گلزار احمد اور جسٹس سجاد علی شاہ) نے سماعت کی تھی اور KMC حکام کو فوری طور پر غیر قانونی کیبن شاپس اور قبضے ختم کرنے کی ہدایت دی تھی۔[217]

اسی طرح "Sindh Cooperative Housing Society, Sukkur" میں عوامی سہولت کے لیے اسکول، پارک، کھیل کا میدان، ہسپتال اور مسجد کے لیے پلاٹس مختص تھے۔ بعد میں سوسائٹی کے عہدہ داران نے مل جل کر کھیل کے میدان کو غیر قانونی طور پر رہائشی پلاٹوں میں تبدیل کر کے بیچ دیا۔ اس غیر قانونی اقدام کے خلاف سوسائٹی کے بعض اراکین نے سندھ ہائی کورٹ میں آئینی درخواستیں دائر کیں۔ اس پر عدالت نے فیصلہ دیا کہ ایمنٹی پلاٹس عوامی سہولت کے لیے مخصوص ہوتے ہیں اور انہیں بغیر عوامی سماعت اور حکومت کی منظوری کے کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرنا غیر قانونی ہے۔ ہائی کورٹ نے اس پر فیصلہ دیا اور اس زمین واپس عوامی سہولت کے لیے بحال کر دیا۔[218]

مزید اسی طرح ہمارے ہاں اسلام آباد میں اس کی ایک مشہور مثال "مونال ریسٹورنٹ" کی ہے، جو "اسلام آباد ہائی کورٹ" کے مطابق "مارگلہ ہلز نیشنل پارک" کی حدود میں قائم تھا، جہاں قانون کے تحت کوئی تعمیر یا کاروباری سرگرمی کی اجازت نہیں۔ اس کی ابتدائی لیز CDA نے "۲۰۰۶" میں دی تھی جو مقررہ مدت یعنی ۱۵ سال کے بعد ختم ہو گئی۔ بعدازاں فوج کے RVF ڈائریکٹوریٹ کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا، عدالت نے اسے غیر قانونی اور بے اختیار قرار دیا کیونکہ وہ ادارہ اس زمین کا مالک یا مختار ہی نہیں تھا۔ عدالت نے مشاہدہ کیا کہ نیشنل پارک عوامی ورثہ ہے، اور وہاں کمرشل سرگرمی ماحولیاتی نقصان کے ساتھ شہریوں کے بنیادی

---

[217] https://tribune.com.pk/story/1559472/sc-orders-removal-encroachments-public-parks-plots Last access 11 September 2025

[218] https://caselaw.shc.gov.pk/caselaw/view-file Last access 11 September 2025
IN THE HIGH COURT OF SINDH BENCH AT SUKKUR Constt: Petition No.D–518 of 2020
Constt: Petition No.D–1013 of 2019

حقوق (حقِ زندگی) کی خلاف ورزی ہے۔ آخر میں عدالت نے حکم دیا کہ مونال کی لیز کالعدم ہے، اس کا قبضہ فوراً ختم کیا جائے اور Islamabad Wildlife Management Board کو زمین واپس دی جائے۔[219]

1۔شکار کے متعلق قانون:

پاکستان میں شکار سے متعلق سب سے بنیادی قانون "پاکستان وائلڈ لائف آرڈیننس 1971ء" ہے، جس کا مقصد جنگلی حیات کے تحفظ، ان کے مسکن کی حفاظت، اور شکار کو باقاعدہ قانون کے دائرے میں لانا ہے۔ اس آرڈیننس کے تحت شکار کے لیے اجازت نامہ حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے اور مخصوص اوقات میں مخصوص اقسام کے جانوروں اور پرندوں کے شکار کی اجازت دی گئی ہے، جبکہ نایاب اور تحفظ شدہ اقسام کا شکار مکمل طور پر ممنوع ہے۔ اس قانون کی خلاف ورزی پر جرمانہ، قید یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔ بعد ازاں اٹھارویں ترمیم کے بعد جنگلی حیات کا معاملہ صوبوں کے سپرد ہو گیا، جس کے نتیجے میں ہر صوبے نے اپنے الگ وائلڈ لائف ایکٹس نافذ کیے، لیکن ان سب کا بنیادی مقصد جنگلی حیات کے تحفظ اور شکار کے عمل کو نظم و ضبط میں لانا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے تناظر میں بھی شکار کو حدود و قیود کے ساتھ جائز قرار دیا گیا ہے، اس لیے پاکستان کے موجودہ قوانین کئی پہلوؤں سے اسلامی اصولوں کے قریب نظر آتے ہیں۔

لہذا 18 ترمیم کے بعد اسی آرڈیننس کو سامنے رکھتے ہوئے ہر صوبے نے اپنے قوانین بنائے:

1۔ پنجاب وائلڈ لائف ایکٹ 1974

2۔ سندھ وائلڈ لائف پروٹیکشن ایکٹ 2020

3۔ خیبر پختونخوا وائلڈ لائف اینڈ بائیوڈائیورسٹی ایکٹ 2015

4۔ بلوچستان وائلڈ لائف پروٹیکشن ایکٹ 2014

اس آرڈیننس[220] میں شکار کے متعلق مندرجہ ذیل امور کے بارے میں بتایا ہے کہ:

ا۔ شکار کے لیے اجازت نامہ (لائسنس) لینا ضروری ہے۔

---

[219] Form No: HCJD/C-121, IN THE ISLAMABAD HIGH COURT, ISLAMABAD (JUDICIAL DEPARTMENT, W.P. No.4245/2014

[220] The Pakistan wildlife ordinance 1971 section 9

۳۔ بعض شکار کی اجازت مخصوص وقت یعنی سیزن میں دی جاتی ہے۔

۴۔اسی طرح، اس قانون کی کسی بھی دفعہ کی خلاف ورزی کی صورت میں جرمانہ یا قید کی سزا دی جاسکتی ہے۔

۵۔ بعض شکار کے لیے صرف اجازت نامہ یعنی لائسنس لینا کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے خاص پرمٹ لینا ضروری ہوتا ہے۔

لہذا شکار سے متعلق آرڈیننس میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کوئی بھی شخص شکار کرنے سے پہلے باقاعدہ حکومتی اجازت نامہ (لائسنس) حاصل کرے گا، بغیر لائسنس کے شکار کرنا قانوناً جرم ہے۔ اسی طرح بعض جانوروں کے شکار کی اجازت مخصوص موسم یا وقت (سیزن) میں دی جاتی ہے تاکہ ان کی نسل کی افزائش اور بقاء متاثر نہ ہو۔ مزید برآں بعض مخصوص یا نایاب جانوروں، جیسے مارخور وغیرہ کے شکار کے لیے صرف عام لائسنس کافی نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لیے مخصوص پرمٹ حاصل کرنا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ایسا انتظام اس لیے کیا گیا ہے تاکہ شکار کو ایک منظم اور قانونی حدود کے اندر رکھا جاسکے اور فطری ماحول کو نقصان سے بچایا جاسکے۔

اگر کوئی شخص ان قوانین یا شرائط کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس پر جرمانہ یا قید جیسی قانونی سزائیں بھی دی جاسکتی ہیں۔ یہ قوانین نہ صرف جانوروں کی حفاظت اور ماحولیاتی توازن کو برقرار رکھنے کے لیے ہیں، بلکہ اس بات کو بھی یقینی بنانے کے لیے ہیں کہ شکار کے عمل میں بے اعتدالی، زیادتی یا لالچ کا پہلو شامل نہ ہو۔ اس آرڈیننس کا اصل مقصد یہ ہے کہ شکار جیسا مباح عمل بھی حکمت اور نظم وضبط کے تحت انجام دیا جائے تاکہ موجودہ اور آنے والی نسلیں بھی اس قدرتی وسائل سے مناسب طریقے سے فائدہ اٹھا سکیں۔

شرعی تجزیہ:

شکار شریعت کے مطابق ایک مباح اور جائز عمل ہے، لہذا ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شکار کرے، لیکن اگر شکار کی زیادتی کی وجہ سے جانوروں کی نسل ختم ہونے لگے یا ماحول کا توازن بگڑنے لگے تو حکومت وقت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس پر کچھ پابندیاں عائد کرے۔ مثلاً شکار کے لیے لائسنس لینا ضروری قرار دینا، مخصوص سیزن میں ہی شکار کی اجازت دینا، یا بعض خاص جانوروں کے لیے پرمٹ جاری کرنا۔ اگر کوئی شخص ان قوانین کی خلاف ورزی کرے تو حکومت اس پر جرمانہ یا قید کی سزا بھی دے سکتی ہے۔ یہ سب باتیں شریعت کے اس اصول کے مطابق ہیں کہ "امام کا رعایا پر تصرف مصلحت کے ساتھ ہونا چاہیے"۔ اس لیے اگرچہ شکار ہر شخص کا

حق ہے، لیکن حکومت وقت اگر جانوروں کے تحفظ، نسل کی بقا، اور انتظامی ضرورت کے پیش نظر کوئی قانون بناتی ہے تو وہ شرعاً درست ہے اور اس سے شکار کی اصل اباحت ختم نہیں ہوتی، بلکہ اس میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے۔

لہذا اس سلسلے میں ایک فقہی قاعدہ "تصرّف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة[221]" جس کا مفہوم یہ ہے کہ شریعت نے جائز اور مباح احکام میں عملی انتظام حکومت وقت کے سپرد کیا ہے کہ وہ اپنی انتظامی امور اور لوگوں کی اصلاح کی بنیاد پر قوانین بنا سکتے ہیں اور ان قوانین کو ماننے کے لیے لوگوں کو پابند بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن جہاں شریعت نے حکمران کو یہ اختیار دیا ہے وہاں اس اختیار کو محدود بھی کیا ہے اور اس اختیار کو فقہاء کرام نے مختلف شرائط کے ساتھ خاص بھی کیا ہے، جیسے کہ علامہ شامیؒ اس حوالے سے لکھتے ہے کہ:

"طاعة الإمام في غير معصية واجبة"[222]

یعنی حکمران کے حکم کو اس صورت میں تسلیم کرنا ضروری ہے جب اس میں کوئی گناہ یا معصیت نہ ہو، بلکہ وہ حکم عوام کے دنیاوی یا اخروی فائدے کے لیے ہو۔

اس طرح علامہ محمد علاءالدین افندیؒ نے اپنے کتاب "قرۃ عیون الأخیار" میں ذکر کیا ہے کہ:

"ان الحاكم لو أمر أهل بلدة بصيام أيام بسبب الغلاء أو الوباء وجب امتثال أمره، والله تعالى أعلم"[223]

ترجمہ: اگر کسی شہر یا بستی کے رہائشیوں (یا حکمران) نے کسی خاص وجہ، جیسے مہنگائی یا وبا کے پھیلاؤ کے سبب، چند دنوں تک روزے رکھنے کا حکم دیا، تو اس حکم کی پیروی کرنا لازم ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے بخوبی واقف ہے۔

یعنی اگر حکمران کسی مشکل، وبا یا مہنگائی جیسے حالات میں عوام کو اجتماعی طور پر نفلی روزے رکھنے کے ذریعے اللہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دے، تو مسلمانوں پر اس حکم کی پیروی کرنا ضروری ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ عمل توبہ، دعا اور اللہ کی مدد حاصل کرنے کا ایک شرعی وسیلہ سمجھا جاتا ہے۔

اس طرح اس کے متعلق مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

---

[221] السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن، الأشباه والنظائر، الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: الأولى، ١٤٠٣ هـ - ١٩٨٣ م ،ص:121

[222] رد المحتار على الدر المختار،باب مطلب طاعة الإمام واجبة،ج:5،ص:422

[223] محمد علاء الدين أفندي،قرة عيون الأخيار: تكملة رد المحتار على الدر المختار،باب المخارج،الناشر: دار الفكر، بيروت – لبنان،الطبعة: ١٤١٥ هـ - ١٩٩٥ م،ج:7،ص:466

حاکم کی اطاعت اسی صورت میں واجب ہے جب اس کا حکم گناہ یا معصیت سے خالی ہو۔ اسی طرح یہ شرط بھی ہے کہ اس کا حکم کسی ذاتی خواہش یا ظلم کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ کسی مصلحت کے تحت ہو؛ کیونکہ حاکم کی اطاعت اس کی ذات کی وجہ سے نہیں کی جاتی، بلکہ اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ عوامی مفادات کا نگران ہوتا ہے۔ اگر وہ کوئی حکم مسلمانوں کی بھلائی کا لحاظ کیے بغیر صرف اپنی ذاتی خواہش یا مفاد کے لیے دے، تو ایسا حکم اس کی حکومتی حیثیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی ذاتی خواہش کی بنیاد پر ہوگا، اور ایسے حکم کو وہ حیثیت حاصل نہیں ہوگی جو ایک ذمہ دار حاکم کے حکم کو حاصل ہوتی ہے۔[224]

حاکم کی اطاعت کا شرعی حکم:

اسلامی شریعت میں حاکم وقت کی اطاعت کا حکم موجود ہے، لیکن یہ اطاعت مطلق (غیر مشروط) نہیں، بلکہ شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ مذکورہ اقتباس میں فقہی لحاظ سے اس اہم اصول کو واضح کیا گیا ہے کہ حاکم کی اطاعت دو بنیادی شرطوں کے ساتھ واجب ہوتی ہے:

۱۔ پہلی یہ کہ اس کا حکم معصیت (یعنی گناہ یا شریعت کی کھلی خلاف ورزی) پر مبنی نہ ہو۔

۲۔ دوسری یہ کہ وہ حکم کسی ذاتی خواہش، ظلم یا استبداد کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ کسی حقیقی مصلحت کی بنیاد پر ہو۔

شریعت حاکم کو اس لیے اطاعت کا حق دیتی ہے کہ وہ، اپنے ذاتی مفاد کے بجائے عوامی مفادات کا محافظ ہوتا ہے۔ اگر کوئی حاکم ایسا حکم جاری کرتا ہے جو نہ تو شریعت کے کسی اصول کے خلاف ہو اور نہ ہی ظلم پر مبنی ہو، بلکہ اس میں کسی اجتماعی بھلائی یا نظم وضبط کی مصلحت ہو، تو ایسی صورت میں اس کی اطاعت واجب ہوگی، لیکن اگر وہ حکم کسی ذاتی پسند، خواہش یا طاقت کے غلط استعمال کے تحت دیا گیا ہو اور اس میں مسلمانوں کی بھلائی یا اصلاح کا کوئی پہلو موجود نہ ہو، تو ایسا حکم حکومتی حیثیت سے نہیں، بلکہ ذاتی حیثیت سے سمجھا جائے گا اور اس کی اطاعت لازم نہ ہوگی۔

لہذا یہ فرق بہت اہم ہے؛ کیونکہ اسلام میں حکمران کو مطلق اختیار نہیں دیا گیا ہے، بلکہ اس کے ہر حکم کو شرعی اصولوں اور اجتماعی فلاح کے معیار پر پرکھا جاتا ہے۔ اسی اصول کی بنیاد پر فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر حاکم ظلم کرے یا شریعت کی خلاف ورزی

[224] شيخ تقي عثماني، تكملة فتح الملهم، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية، وتحريمها في المعصية، مكتبة دارالعلوم كراتشي، الطبعة الاولى 2019، ج:3، ص:183

کرے، تو اس کی اطاعت جائز نہیں، بلکہ بعض اوقات حرام بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اسلامی نظامِ حکومت میں حاکم اور عوام دونوں کے حقوق و ذمہ داریاں عدل، مصلحت اور شریعت کے اصولوں کے تحت متعین کیے گئے ہیں، نہ کہ اندھی اطاعت یا خود ساختہ قوانین کے تحت رکھا گیا ہے۔

2۔ جنگلات کے متعلق قوانین:

پاکستان فاریسٹ ایکٹ 1927 جنگلات کے تحفظ، ان کے منظم استعمال اور جنگلاتی وسائل کی پائیدار ترقی کو یقینی بنانے کے لیے ایک اہم قانونی دستاویز ہے۔ اس قانون کا بنیادی مقصد درختوں کی بے جا کٹائی، لکڑی کی غیر قانونی نقل و حمل اور جنگلات میں نقصان دہ انسانی مداخلت کو روکنا ہے۔ یہ ایکٹ حکومت کو اختیار دیتا ہے کہ وہ جنگلات کو مختلف اقسام میں تقسیم کرے، جیسے محفوظ شدہ (Reserved Forests)، محفوظ کردہ (Protected Forests) اور گاؤں کے جنگلات (Village Forests)، اور ان کے لیے قواعد و ضوابط مقرر کرے۔

لہذا قانون کے تحت لکڑی کی کٹائی، چراگاہ کا استعمال، جنگلات سے اشیاء نکالنے اور ان کی نقل و حمل کے لیے باقاعدہ اجازت نامہ (Permit) حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فاریسٹ افسران کو وسیع اختیارات دیے گئے ہیں تاکہ وہ جنگلاتی جرائم کی روک تھام کر سکیں، اور خلاف ورزی کی صورت میں لکڑی یا دیگر اشیاء ضبط کر سکیں۔ یہ ایکٹ نہ صرف جنگلات کی حفاظت کا ضامن ہے بلکہ عوام اور ریاست کے مابین قدرتی وسائل کے استعمال میں توازن قائم کرتا ہے، اور ماحولیاتی تحفظ کی طرف ایک اہم قانونی قدم ہے۔

اس طرح لہذا 18 ترمیم کے بعد ہر صوبے نے اپنی خود مختاری کی وجہ سے اپنے لیے مختلف فارسٹ ایکٹ بنائے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ The forest amendment act Punjab 2010

2۔ The balochistan forest act 2012

3۔ The Sindh forest act 2022

4۔ The Kpk forest act amendment 2022

اس آرڈیننس[225] کی اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ غیر قانونی کٹائی (Unauthorized felling) جرم ہے۔

۲۔ لکڑی کی نقل وحمل کے لیے اجازت نامہ (Permit) ضروری ہے۔

۳۔ ریزروڈ فارسٹ (Reserved Forest) اور پروٹیکٹڈ فارسٹ (Protected Forest) کی حدود مقرر کی گئی ہیں، جہاں لکڑی کاٹنے پر سخت پابندیاں ہیں۔

ان دونوں فارسٹ میں فرق یہ ہے کہ ریزروڈ فارسٹ (Reserved Forest) وہ جنگلات ہوتے ہیں جنہیں حکومت مکمل قانونی تحفظ کے تحت مخصوص کرتی ہے، اور ان پر حکومت کا سخت ترین کنٹرول نافذ ہوتا ہے۔ ان علاقوں میں کسی قسم کی انسانی مداخلت، مثلاً لکڑی کاٹنا، مویشی چرانا، شکار کرنا یا زمین استعمال کرنا بغیر سرکاری اجازت کے مکمل طور پر ممنوع ہوتا ہے۔ عام شہریوں کے تمام حقوق معطل تصور ہوتے ہیں، جب تک کہ حکومت خصوصی اجازت نہ دے۔ یہ تحفظ اس لیے دیا جاتا ہے تاکہ قیمتی جنگلات، نایاب انواع، اور ماحولیاتی نظام کو طویل مدتی بنیادوں پر محفوظ رکھا جا سکے۔

دوسری طرف پروٹیکٹڈ فارسٹ (Protected Forest) وہ جنگلاتی علاقے ہوتے ہیں جنہیں حکومت تحفظ دیتی ہے، مگر ان میں عوامی رسائی اور مخصوص سرگرمیوں کی مشروط اجازت ہو سکتی ہے۔ حکومت ان علاقوں میں لکڑی کی کٹائی، ایندھن جمع کرنے یا مویشی چرانے جیسے حقوق مخصوص قوانین وضوابط کے تحت دے سکتی ہے۔ ان جنگلات میں تحفظ کا درجہ ریزروڈ فارسٹ کے مقابلے میں کم ہوتا ہے، لیکن یہ بھی ایک اہم درجہ بندی ہے تاکہ جنگلاتی وسائل کی بے جا کٹائی روکی جا سکے اور عوامی ضروریات کا توازن برقرار رکھا جا سکے۔

اس طرح اس آرڈیننس میں مزید "ویلیج فارسٹ (Village Forest)" کا تصور بھی ہے، جس کا عام طور پر مقصد یہ ہوتا ہے کہ مقامی لوگوں کی ضروریات کو مدِ نظر رکھ کر بعض مخصوص حقوق دیے جاتے ہیں، جیسے لکڑی کاٹنا، چارہ جمع کرنا یا مویشی چرانا، وغیرہ۔

[225] The forest act 1927

شرعی تجزیہ:

اسلام ایک ایسا مکمل نظامِ زندگی ہے، جو صرف انفرادی زندگی ہی نہیں بلکہ اجتماعی و عمرانی نظام کی بھی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ اسلامی شریعت نے قدرتی وسائل کے بارے میں بھی واضح ہدایات فراہم کی ہیں۔ پانی، چراگاہیں، درخت اور جنگلات جیسی چیزیں اسلامی تعلیمات میں "عوامی ملکیت (Public Property) "میں شامل ہیں، جنہیں فقہی اصطلاح میں الاشیاء المباحہ یا الاموال المشترکہ کہا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "عوام الناس تین اشیاء میں برابر کے شریک ہیں: پانی، چراگاہ اور آگ۔[226]

اسلامی شریعت کا اصول یہ ہے کہ کچھ فطری وسائل اور نعمتیں ایسی ہیں، جن پر تمام انسانوں کا مساوی حق ہوتا ہے، اور کوئی فرد یا گروہ ان پر اپنی انفرادی ملکیت یا اجارہ داری قائم نہیں کر سکتا۔ اسی تصور کو نبی کریم ﷺ نے ایک جامع اور مختصر حدیث میں بیان فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے یعنی لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، چراگاہ اور آگ (ایندھن)۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ یہ وہ قدرتی وسائل ہیں جن سے عام انسانوں کو روزمرہ زندگی میں فائدہ اٹھانے کی ضرورت پیش آتی ہے، لہٰذا ان کے استعمال پر کسی فرد کو اس حد تک حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ دوسروں کو اس سے محروم کر دے۔ یہ حدیث اسلامی قانون کے اس اصول کی بنیاد ہے جس کے تحت عوامی وسائل کو مشترکہ ملکیت یا حقِ استفادہ عامہ (right of common benefit) قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مقصد معاشرتی عدل، ضرورت مندوں کی رسائی اور قدرتی وسائل کا منصفانہ استعمال یقینی بنانا ہے۔ یہی اصول ہمیں اس بات کا اخلاقی اور فقہی جواز فراہم کرتا ہے کہ اگر حکومت ان وسائل کو عوامی بھلائی کے پیشِ نظر منظم کرتی ہے، تو یہ شریعت کے مطابق ہے، بشرطیکہ اس میں ظلم یا طبقاتی مفاد شامل نہ ہو۔

اسلامی شریعت اور وسائل کا تحفظ:

اگرچہ فطری وسائل میں سب کو حقِ استفادہ حاصل ہے، لیکن شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ اگر ان اشیاء کا استعمال غیر منظم ہو جائے، یا دوسروں کے لیے نقصان دہ ثابت ہو، تو حکومت ان وسائل کے استعمال کو منظم کرنے کے لیے قواعد و ضوابط

[226] سنن أبي داود، كتاب الاجارة، باب في منع الماء، رقم الحديث: 3479، ج:3، ص:295

متعین کر سکتی ہے۔

پاکستان فاریسٹ ایکٹ 1927: تعارف اور تجزیہ

پاکستان فاریسٹ ایکٹ 1927" برصغیر کی نوآبادیاتی حکومت کے دور میں نافذ ہوا، جس کا مقصد جنگلات، درختوں، اور لکڑی جیسے قدرتی وسائل کا تحفظ اور ان کا نظم و نسق قائم رکھنا تھا۔ لہذا اگر اس ایکٹ کے اہم نکات کو اگر ہم غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کریں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ غیر قانونی کٹائی (Unauthorized felling) جرم ہے۔

۲۔ لکڑی کی نقل و حمل کے لیے اجازت نامہ (Permit) ضروری ہے۔

۳۔ ریزروڈ فارسٹ (Reserved Forest) اور پروٹیکٹڈ فارسٹ (Protected Forest) کی حدود مقرر کی گئی ہیں، جہاں لکڑی کی کٹائی پر سخت پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔

ہم ان شقوں کو اسلامی اصولوں کے تناظر میں دیکھیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر ان کا مقصد عوامی مفاد (مصلحتِ عامہ) ہو، تو وہ شریعت کے اصولوں کے عین مطابق ہیں۔ جیسے کہ اسلامی فقہ کا اصول ہے کہ "حاکم کی رعایا پر کاروائیاں مصلحت سے مشروط ہیں"۔ یہ اصول فقہائے احناف اور دیگر مکاتبِ فکر میں مسلم ہے کہ اگر کوئی عمل عوامی مفاد پر مبنی ہو تو حاکم وقت کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ ایسا ضابطہ نافذ کرے، جو مباحات کو منظم کرے، ان پر پابندی نہ ہو، بلکہ ان کے استعمال کا توازن پیدا کیا جائے۔

قانون کا غلط استعمال اور شریعت کی حدود:

اگر "فاریسٹ ایکٹ" کو ایسے انداز میں استعمال کیا جائے کہ غریب عوام، خصوصاً دیہی یا قبائلی افراد جو ان وسائل سے روزگار حاصل کرتے ہیں، وہ نقصان یا ظلم کا شکار ہوں، تو یہ اسلامی اصولِ عدل و انصاف کی خلاف ورزی ہوگی۔
لہذا اسلامی شریعت کا اصول یہ ہے کہ ریاستی معاملات میں عدل و احسان بنیادی اقدار ہیں، جن پر ہر قانون اور ضابطے کو پرکھا جانا چاہیے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا قرآن کریم میں ارشاد مبارک ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾[227]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

لہذا اس آیت کی تفسیر میں "محمد سید طنطاویؒ" فرماتے ہے کہ:

امام قرطبیؒ کے کلام سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عدل (انصاف) کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے تمام قول و عمل میں حق اور انصاف کے مطابق رہے۔ جبکہ احسان (بھلائی) کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے کاموں کو عمدگی اور بہترین طریقے سے کرے، چاہے وہ عقائد سے متعلق ہوں، عبادات ہوں یا دیگر امور۔ احسان کا مفہوم عدل سے کہیں زیادہ وسیع ہے، کیونکہ اگر عدل کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا حق دیا جائے، تو احسان میں اس سے بھی بڑھ کر کچھ اور بھلائی شامل ہوتی ہے، جیسے اضافی احسانات اور دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔[228]

پس علامہ طنطاویؒ نے امام قرطبیؒ سے جو عبارت نقل کی ہے اس کے تجزیے اور شریعت کی عمومی ہدایات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر مذکورہ قانون کو عوامی بھلائی، مساوات، اور وسائل کی منصفانہ تقسیم کے لیے استعمال کیا جائے، تو یہ شریعت کے اصولِ عدل واحسان کے عین مطابق ہے۔ البتہ اگر اس قانون کو ظلم، کرپشن یا مخصوص مفادات کی خاطر استعمال کیا جائے تو وہ اس کی روح کے خلاف ہوگا، اور شریعت ایسی صورت میں نہ صرف اس کی اصلاح کی تلقین کرتی ہے، بلکہ ناانصافی کے خلاف اقدام کا بھی مطالبہ کرتی ہے۔

3۔ماہی گیری کے متعلق قانون:

پاکستان ایک زرعی ملک ہونے کے ساتھ ساتھ آبی وسائل سے بھی مالا مال ہے، جہاں دریاؤں، نہروں، جھیلوں اور سمندری حدود میں ماہی گیری ایک اہم معاشی سرگرمی کی حیثیت رکھتی ہے۔ ماہی گیری نہ صرف مقامی افراد کے روزگار کا ذریعہ ہے، بلکہ ملکی معیشت میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ آبی حیات کا تحفظ، افزائش نسل کا تسلسل، اور غیر قانونی شکار کی روک تھام کے لیے ریاستی سطح پر باقاعدہ قانونی ڈھانچے کی ضرورت محسوس کی گئی، جس کے نتیجے میں "The Pakistan Fisheries[229]

[227] النحل:90

[228] محمد سید طنطاوی، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم، دار نهضة مصر للطباعة والنشر والتوزیع، الطبعة: الأولی، ١٩٩٧ - ١٩٩٨ م، ج:8، ص:213

[229] THE WEST PAKISTAN FISHERIES ORDINANCE, 1961

"Ordinance, 1961 نافذ کیا گیا۔اس آرڈیننس کا بنیادی مقصد ملکی آبی وسائل کو منظم کرنا، ماہی گیروں کے لیے اصول و ضوابط مقرر کرنا، اور غیر قانونی، غیر سائنسی یا نقصان دہ طریقوں سے ماہی گیری کی روک تھام کو ممکن بنانا ہے۔اس قانون کے تحت لائسنس کا اجراء، ممنوعہ آلات کی شناخت، مخصوص نسلوں اور سائز کی مچھلیوں کے شکار کی ممانعت، اور مختلف خلاف ورزیوں پر سزاؤں کا تعین کیا گیا ہے، جو کہ ایک پائیدار اور ذمہ دار ماہی گیری نظام کے قیام کے لیے ناگزیر ہے۔مذکورہ آرڈیننس، ماہی گیری کے شعبے کو قانونی دائرہ کار میں لا کر ایک محفوظ اور منصفانہ نظام فراہم کرتا ہے، جو نہ صرف موجودہ نسلوں بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے بھی آبی وسائل کے تحفظ کو یقینی بناتا ہے۔

اس طرح ہر صوبے نے اس کے متعلق اپنے لیے مختلف قوانین بنائے ہیں:

1۔Punjab Fisheries Ordinance, 1961 (Amended upto 2007)

2۔THE SIND FISHERIES ORDINANCE, 1980

3۔The Balochistan Sea Fisher amendment act ,2022

4۔The Khyber Pakhtunkhwa Fisheries and Aquaculture Act 2022

لہذا مذکورہ بالا آرڈیننس[230] کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔اس آرڈیننس کے تحت کسی بھی شخص کو ماہی گیری کرنے کے لیے باقاعدہ لائسنس حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔بغیر لائسنس مچھلی پکڑنے کو قابل سزا جرم قرار دیا گیا ہے۔

۲۔دھماکہ خیز مواد، زہریلے کیمیکل، چونا یا دیگر نقصان دہ اشیاء کے ذریعے مچھلی مارنے یا پکڑنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔یہ اقدامات آبی حیات اور ماحولیاتی نظام کے تحفظ کے لیے ضروری سمجھے گئے ہیں۔

۳۔ماہی گیری کے مخصوص آلات جیسے ممنوعہ جال، بجلی یا دوسرے غیر قانونی ذرائع کے استعمال کو قانوناً روکا گیا ہے۔

[230] THE WEST PAKISTAN FISHERIES ORDINANCE, 1961

۴۔ مقررہ سائز سے چھوٹی مچھلی پکڑنے یا رکھنے پر پابندی عائد کی گئی ہے تاکہ افزائش نسل کو نقصان نہ پہنچے اور مچھلی کی تعداد برقرار رہے۔

اس آرڈیننس کے تحت ماہی گیری کو قانونی اور منظم بنانے کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے کہ کوئی بھی شخص بغیر حکومتی لائسنس کے ماہی گیری کا عمل انجام نہ دے۔ یہ لائسنس مخصوص شرائط، فیس اور مدت کے ساتھ جاری کیا جاتا ہے، جس کے ذریعے ماہی گیروں کو قانونی تحفظ ملتا ہے۔ اس اقدام کا بنیادی مقصد آبی وسائل کی حفاظت، ماہی گیری کے بے قابو رجحان کی روک تھام، اور حکومت کو اس شعبے کی نگرانی کا مؤثر نظام فراہم کرنا ہے۔ آرڈیننس کی رو سے ان تمام طریقوں پر پابندی عائد کی گئی ہے جو ماحولیاتی نظام کو نقصان پہنچاتے ہیں، جیسے دھماکہ خیز مواد یا زہریلے کیمیکلز کا استعمال۔ ان ممنوعہ طریقوں سے مچھلیاں نہ صرف غیر فطری انداز میں ماری جاتی ہیں، بلکہ دیگر آبی حیات اور پانی کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ لٰہذا قانون کے مطابق ایسے افراد کے خلاف سخت کارروائی کی جاسکتی ہے جو ماہی گیری کے لیے ان غیر اخلاقی اور غیر قانونی طریقوں کو اختیار کریں۔

اس طرح یہ قانون اس بات کی بھی صراحت کرتا ہے کہ افزائش نسل کے لیے مخصوص سائز سے چھوٹی مچھلیوں کا شکار نہ کیا جائے۔ اس پابندی کا مقصد آبی حیات کی نسلی بقاء کو یقینی بنانا ہے تاکہ قدرتی تناسب متاثر نہ ہو اور مچھلیوں کی نسل ختم ہونے سے محفوظ رہے۔ اس اصول کی خلاف ورزی سے ماہی گیری کا مستقبل خطرے میں پڑ سکتا ہے، اسی لیے قانون اس ضمن میں واضح ہدایات دیتا ہے۔ ماہی گیری میں ایسے آلات یا طریقے جنہیں حکومت نے ممنوع قرار دیا ہو، جیسے باریک جال، بجلی کے جھٹکوں کا استعمال یا دیگر خطرناک طریقے، ان کا استعمال اس قانون کے تحت سختی سے منع ہے۔ اس ضابطے کا مقصد یہ ہے کہ صرف وہی آلات استعمال کیے جائیں جو مخصوص معیار کے مطابق ہوں اور جو آبی ماحول اور مچھلی کی افزائش کے لیے محفوظ سمجھے جاتے ہوں۔

شرعی تجزیہ:

اسلامی فقہ میں "شرکتِ اباحت" ایک ایسا اصول ہے جس کے تحت بعض چیزیں بذات خود کسی فرد یا گروہ کی ملکیت نہیں ہوتیں بلکہ سب کے لیے مشترکہ طور پر مباح ہوتی ہیں، جب تک کہ وہ کسی کے قبضہ وتصرف میں نہ آجائیں۔ اس کے متعلق امام سرخسیؒ فرماتے ہے کہ:

"كل من سبق إلى موضع فهو أحق به"[231]

یعنی جو شخص کسی مباح جگہ پہلے سبقت لے جائے وہ اس کی ہی ہے۔

اس کے متعلق علامہ "محمد بن علي بن آدم بن موسیٰؒ" فرماتے ہے کہ :

لوگ مباح چیزوں میں سب برابر ہیں، پس جو کسی چیز میں سبقت لے جائے، وہ اس کا مستحق ہوتا ہے، اور جو کسی کے مستحق شدہ (مباح) کو ناحق طور پر چھین لے، وہ غاصب ہے۔[232]

اس طرح اس اصول میں تین نکات بیان کی گئے ہیں:

۱۔ مباح چیزوں (جیسے پانی، ہوا، شکار، مچھلی، چراگاہیں وغیرہ) میں تمام انسان برابر کے شریک ہیں۔

۲۔ جو شخص ان اشیاء میں سے کسی تک پہلے پہنچ جائے (سبقت لے جائے)، وہی اس کا شرعی طور پر مستحق بن جاتا ہے۔

۳۔ اگر کوئی دوسرا شخص اس مستحق سے زبردستی یا ناحق وہ چیز چھین لے، تو وہ غصب '(غیر قانونی قبضہ) کے زمرے میں آئے گا جس پر شریعت میں سخت وعید ہے۔

اس اصول کا اطلاق "Pakistan Fisheries Ordinance, 1961" پر:

اس اصول کا اطلاق اس آرڈیننس پر مندرجہ ذیل صورتوں میں ہوتا ہے:

۱۔ مباح اشیاء میں مساوات:

آرڈیننس اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ ماہی گیری ایک مباح عمل ہے، یعنی ہر شخص کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے۔

---

[231] المبسوط، ج:23، ص:164

[232] الإتيوبي، محمد بن علي بن آدم بن موسى، البحر المحيط الثجاج في شرح صحيح الإمام مسلم بن الحجاج، باب تحريم إقامة الإنسان من موضعه المباح الذي سبق إليه، الناشر: دار ابن الجوزي – الرياض، الطبعة: الأولى، (١٤٢٦ - ١٤٣٦ هـ)، ج:35، ص:630

۲۔ سبقت اور استحقاق:

چونکہ قدرتی وسائل (جیسے مچھلی) محدود اور ناپائیدار ہیں، اس لیے یہ قانون "لائسنس" کے ذریعے سبقت کو منظم کرتا ہے۔ جو شخص قانونی طور پر (مثلاً لائسنس حاصل کر کے) پہلے شکار کرے، وہی اس مچھلی کا مستحق ہوگا۔

۳۔ بغیر لائسنس کے شکار ممنوع:

اگر کوئی شخص بغیر لائسنس یا ممنوعہ طریقے سے شکار کرتا ہے، تو وہ دراصل دوسروں کے استحقاق پر تجاوز کرتا ہے، اور اس طرح فقہی لحاظ سے "غاصب " کے حکم میں آتا ہے، کیونکہ وہ ایک ایسی چیز لے رہا ہے جس پر وہ شرعی طور پر مستحق نہیں ہے۔ لہذا جو شخص قانوناً لائسنس لے لیتا ہے اور شکار کرتا ہے تو یہ شخص زیادہ حقدار ہے شکار کا اس شخص سے جو بغیر لائسنس کے شکار کرے؛ کیونکہ حکومت وقت کے کسی ایسے قانون کو نہ تسلیم کرنا جو شرعی طور پر درست ہو، ایسا ہی ہے جیسے کسی شرعی حکم سے انکار کرنا۔

۴۔ نظام عدل کی ضرورت:

اس اصول سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر فرد کو مکمل آزادی دے دینا، جیسے ماہی گیری کے وسائل میں، فساد اور حقوق کی پامالی کا باعث بن سکتا ہے۔ اس لیے شریعت حاکمِ وقت کو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ ایک ایسا نظام قائم کرے جس سے "سبق" کا حق عدل و انصاف کے ساتھ منظم ہو۔

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ:

"عن عكرمة عن ابن عباس قال قال رسول الله : لاضرر ولاضرار"[233]

ترجمہ: نہ خود نقصان پہنچاؤ اور نہ کسی دوسرے کو نقصان دو۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ سیوطیؒ نے "شرح سنن ابن ماجه" میں لکھا ہے کہ:

---

[233] سنن ابن ماجه، محمد بن يزيد أبو عبدالله القزويني، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، الناشر : دار الفكر – بيروت ،رقم الحديث:2341،ج:2،ص:784

"والمشهور ان بينهما فرقا ثم قيل للأول الحاق مفسدة بالغير مطلقا والثاني الحاق مفسدة بالغير على وجه المقابلة"[234]

ترجمہ: مشہور بات یہ ہے کہ "ضرر" اور "ضرار" کے درمیان فرق ہے۔ کہ "ضرر" سے مراد ہے: کسی کو بلا وجہ نقصان پہنچانا، یعنی کسی دوسرے کو تکلیف یا نقصان دینا بغیر کسی بدلے یا جواز کے اور "ضرار" سے مراد ہے: کسی کو نقصان اس کے بدلے میں دینا، یعنی بدلے یا انتقام کے طور پر نقصان پہنچانا۔

تشریح:

"والمشهور أن بينهما فرقاً"

اس عبارت سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ مشہور (فقہاء و علما کے درمیان) بات یہ ہے کہ "ضرر" اور "ضرار" میں فرق ہے، یعنی یہ دونوں الفاظ مترادف نہیں، بلکہ مفہوم میں الگ الگ ہیں۔

"ثم قيل: للأول إلحاق مفسدة بالغير مطلقاً"

اس عبارت سے یہ مراد ہے کہ پہلا لفظ "**ضرر**" اس نقصان کو کہا جاتا ہے جو کسی دوسرے کو بلا وجہ یا بلا سبب پہنچایا جائے، یعنی کسی کو نقصان دینا، بغیر اس کے کہ اس نے آپ کو کوئی نقصان پہنچایا ہو۔ یہ عام اور مطلق صورت ہے۔

"والثاني: إلحاق مفسدة بالغير على وجه المقابلة"

جبکہ دوسرا لفظ "ضرار" اس نقصان کو کہتے ہیں جو بدلے میں یا انتقاماً دیا جائے، یعنی کسی نے اگر آپ کو نقصان پہنچایا تو آپ جواب میں اس کو نقصان پہنچائیں، تو یہ "ضرار" کہلاتا ہے۔

مشترکہ عوامی ملکیت اور ضرر کا امکان:

مشترکہ عوامی ملکیت کے تحت مباحاتِ عامہ (جیسے پانی، ہوا، ماہی گیری) تمام انسانوں کے لیے مساوی طور پر دستیاب ہوتی ہیں۔ لیکن جب ان کا استعمال غیر منظم ہو، یا ان میں تزاحم پیدا ہو جائے، تو اجتماعی یا ماحولیاتی ضرر کا قوی امکان ہوتا ہے۔ ماہی گیری

---

[234] السيوطي، شرح سنن ابن ماجه، الناشر : قديمي كتب خانة – كراتشي، ج:1،ص:169

چونکہ اکثر دریاؤں، سمندروں اور جھیلوں جیسے مباحاتِ عامہ سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے اگر اس پر کوئی قید نہ لگائی جائے، تو مندرجہ ذیل مفاسد وجود میں آجاتے ہیں:

۱۔ مچھلیوں کی نسل ختم ہو سکتی ہے۔

۲۔ چھوٹی اور افزائش نسل کی حامل مچھلیوں کا شکار بڑھ جاتا ہے۔

۳۔ دھماکہ خیز مواد اور زہریلے کیمیکل سے آبی حیات تباہ ہو جاتی ہے۔

۴۔ غریب ماہی گیر کا حق تلف ہو جاتا ہے۔

ریاست کی مداخلت: ضرر و ضرار کے ازالہ کا شرعی طریقہ:

"Pakistan Fisheries Ordinance, 1961" دراصل اسی "ضرر" کے امکان کو روکنے کے لیے ایک قانونی اقدام ہے، لہٰذا ریاست لائسنس، وقت کی تحدید، اور آلات پر پابندی لگا کر اس "ضرر" کو روکتی ہے، جو کہ شریعت کی روشنی میں جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایسی تکنیک استعمال کرتا ہے جو دوسروں کے لیے نقصان دہ ہو، جیسے دھماکہ خیز مواد سے شکار، زہریلے کیمیکل، وغیرہ تو یہ صرف ابتدائی ضرر ہی نہیں، بلکہ دوسروں کو جان بوجھ کر نقصان پہنچانے کا عمل ہے، یعنی "ضرار ہے، چونکہ ضرر اور "ضرار" دونوں سے روکتی ہے لہذا یہ آرڈیننس شرعی اصول "الضرر يزال "(نقصان کو زائل کیا جائے) کے عین مطابق ہے۔

یہاں اس اصول کا مختصر تعارف درکار ہے کہ: "الضرر يزال".

ترجمہ: نقصان کو دور کیا جائے۔

مفہوم:

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام میں کسی کو پہنچنے والے نقصان یا تکلیف کو جتنا ممکن ہو، ختم کرنا یا کم کرنا ضروری ہے۔ شریعت کا اصول ہے کہ اگر کسی انسان، معاشرے یا نظام کو کسی چیز سے نقصان پہنچ رہا ہو تو اس نقصان کو ختم کرنا واجب ہوتا ہے، چاہے وہ نقصان

مالی ہو، جسمانی ہو یا معاشرتی۔ اس اصول کی روشنی میں فقہی احکام میں کئی مسائل حل کیے جاتے ہیں، جیسے کہ راستوں کی رکاوٹوں کو دور کرنا، غیر قانونی قبضوں کو ختم کرنا، یا ایسے قوانین کو معطل کرنا جو عوام کی فلاح کے لیے نقصان دہ ہوں۔ یہ اصول عدل، رحم اور اصلاحِ معاشرہ پر مبنی ہے، تاکہ انسانوں کو تکلیف سے بچایا جاسکے اور ان کی بھلائی کو یقینی بنایا جاسکے۔

اس کی تطبیق:

اسلامی شریعت کا اصول ہے کہ کسی بھی فرد، معاشرے یا نظام کو اگر کسی چیز سے جسمانی، مالی یا معاشرتی نقصان پہنچے تو اس ضرر کو زائل کرنا واجب ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث "لا ضرر ولا ضرار" اور فقہی قاعدہ "الضرر یزال" سے ثابت ہے۔ شریعت کی روح عدل، رحم اور اصلاحِ معاشرہ پر قائم ہے، جس کے تحت راستوں کی رکاوٹوں کو ہٹانا، ناجائز قبضوں کا خاتمہ، یا ضرر رساں سرگرمیوں پر پابندی جیسے اقدامات لازم قرار دیے گئے ہیں۔ اسی اصول کا عملی نفاذ "Pakistan Fisheries Ordinance, 1961" میں نظر آتا ہے، جہاں ماہی گیری جیسے مباح عمل پر بعض ضوابط اس لیے عائد کیے گئے ہیں تاکہ آبی وسائل کا بے دریغ استعمال، مچھلیوں کی نسل کشی، دھماکہ خیز مواد یا زہریلے کیمیکل کا استعمال، اور ماحولیاتی تباہی جیسے نقصانات سے بچا جاسکے۔ یہ تمام ضرر ایسے تھے جن کے باعث نہ صرف ماحول، بلکہ کمزور ماہی گیروں اور نظامِ عدل کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ لہٰذا اس آرڈیننس کے تحت لائسنس، حدود، اور ممنوعہ طریقوں پر پابندی جیسی شرائط شریعت کے اصولِ ضرر کے عین مطابق ہیں اور ان کا مقصد شرکتِ اباحت کی اصل روح کو ضائع کرنا نہیں، بلکہ اسے عدل اور مصلحتِ عامہ کے تحت محفوظ و منظم رکھنا ہے۔

4۔ پانی کے متعلق قوانین:

پانی کسی بھی ملک کی معاشی، زرعی، صنعتی اور ماحولیاتی ترقی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ پاکستان جیسے زرعی ملک کی معیشت کا دارومدار بڑی حد تک نہری نظام اور زیرِ زمین پانی پر ہے، وہاں پانی کی قلت، غیر منصفانہ تقسیم، اور آلودگی ایک سنگین قومی مسئلہ بن چکی ہے۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے پاکستان میں کوئی واضح قانون موجود نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود پانی کے وسائل کے بہتر انتظام وانصرام کے لیے حکومتِ پاکستان نے "پاکستانی آبی پالیسی 2018 (Pakistan Water Policy 2018)[235] "

[235] NATIONAL WATER POLICY APRIL,2018

متعارف کرائی، جو کونسل آف کامن انٹرسٹ (CCI)[236] کی منظوری سے نافذ کی گئی۔ اس پالیسی کا مقصد ملک میں پانی کے تمام دستیاب وسائل، جیسے دریائی، بارانی، زیرِ زمین اور بارش کے پانی کو منصفانہ، پائیدار اور مؤثر طریقے سے استعمال میں لانا ہے۔

پالیسی میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ پانی کو محض ایک مفت قدرتی وسیلہ نہ سمجھا جائے بلکہ اسے ایک قیمتی اقتصادی اثاثہ تصور کیا جائے۔ اس تناظر میں، پانی کی قیمت گذاری، زیرِ زمین پانی کے تحفظ، جدید آبپاشی نظام کی ترویج، اور آبی وسائل پر وفاق و صوبوں میں مؤثر ہم آہنگی پیدا کرنے جیسے اقدامات کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ مزید اس پالیسی میں مستقبل کے لیے ڈیموں کی تعمیر، شہری و دیہی علاقوں میں واٹر مینجمنٹ، ماحولیاتی بہاؤ کی حفاظت، اور موسمیاتی تبدیلیوں کے تناظر میں پانی کی منصوبہ بندی کو ترجیحی اہداف کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ یہ پالیسی نہ صرف موجودہ آبی ضروریات کا احاطہ کرتی ہے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے پانی کے تحفظ اور دانشمندانہ استعمال کی راہ ہموار کرتی ہے۔

بعض صوبوں میں گراونڈ واٹر کے متعلق پہلے سے کوئی آرڈیننس موجود تھا اور بعض نے اس پالیسی کے بعد قانونی اقدام کیا ہیں:

1۔ Balochistan Ground Water Rights Administration amendment Ordinance, 2001

2۔ THE PUNJAB WATER ACT 2019

3۔ Karachi Water and Sewerage Corporation Act, 2023 (Sindh Act No. XVIII of 2023)

4۔ THE KHYBER PAKHTUNKHWA WATER ACT, 2020

مذکورہ بالا قوانین کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ:

---

[236] کونسل آف کامن انٹرسٹ (Council of Common Interests - CCI) پاکستان کا ایک آئینی ادارہ ہے، جو وفاق اور صوبوں کے درمیان باہمی مفادات کے معاملات کو حل کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ CCI کا بنیادی مقصد ایسے معاملات پر پالیسی سازی کرنا ہے جو وفاق اور تمام صوبوں کے مابین مشترکہ نوعیت رکھتے ہوں، جیسے کہ قدرتی وسائل، بجلی، پانی، وغیرہ

پاکستان کے مختلف صوبوں نے پانی کے وسائل کے انتظام وانصرام اور زیر زمین پانی کے غیر منضبط استعمال کو قابو میں لانے کے لیے علیحدہ علیحدہ قوانین مرتب کیے ہیں، جن میں پنجاب واٹر ایکٹ 2019، سندھ واٹر مینجمنٹ اتھارٹی ایکٹ، خیبر پختونخوا واٹر ایکٹ 2020، اور بلوچستان گراونڈ واٹر راءٹس شامل ہیں۔ان تمام قوانین میں بعض مشترکہ عناصر بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ان میں سب سے نمایاں عنصر یہ ہے کہ زیر زمین پانی نکالنے کے عمل کو لائسنس یا اجازت نامے سے مشروط کیا گیا ہے، تاکہ پانی کے ذخائر کا تحفظ یقینی بنایا جا سکے۔اسی طرح صوبائی سطح پر واٹر ریگولیٹری اتھارٹیز یا کمیشن کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جو پانی کے استعمال، نگرانی، اور شکایات کے ازالے جیسے امور کی نگرانی کرتے ہیں۔

ان قوانین کا ایک اور اہم پہلو پانی کے صارفین کی درجہ بندی اور ان کے لیے مخصوص شرائط کا تعین ہے، تاکہ صنعتی، زرعی اور گھریلو مقاصد کے لیے پانی کے استعمال میں توازن قائم رکھا جا سکے۔اس طرح اس کے ساتھ ساتھ ان قوانین میں پانی کے ضیاع کی روک تھام، بارش کے پانی کا ذخیرہ اور آبی ذخائر کے ریچارج کو فروغ دینے جیسے اقدامات کو فروغ دیا گیا ہے۔ جرمانوں اور قانونی کارروائی کے دفعات ان قوانین کو مؤثر بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔یوں یہ قوانین نہ صرف پانی کے استعمال کو منضبط کرنے میں معاون ہیں، بلکہ مستقبل کی آبی ضروریات کے تحفظ کے لیے بھی ایک مؤثر بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

شرعی تجزیہ:

اسلامی شریعت کی رو سے پانی ایک مباح چیز ہے، جس پر کسی فرد، ادارے یا ریاست کی ملکیت قائم نہیں ہوتی، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "الناسُ شُرَكاءُ في ثلاثة: الماء، والكلاء، والنار"[237]

"یعنی کہ تین چیزیں سب کے لیے مشترک ہیں: پانی، چراگاہ اور آگ"۔

فقہی اصول: مباحاتِ عامہ اور ان پر ملکیت کا تصور:

چنانچہ اس حدیث کی بنیاد پر فقہاء کرام نے یہ اصول مرتب کیے ہیں، جن کی تفصیل سابقہ مباحث میں گزر چکی ہے کہ کوئی بھی مباح چیز اُس وقت تک کسی کی ملکیت نہیں بن سکتی جب تک کہ کوئی شخص اس پر قابض نہ ہو جائے اور اسے عملی طور پر اپنے تصرف میں نہ لے آئے۔

---

[237] سنن أبي داود، كتاب الاجارة، باب في منع الماء، رقم الحديث: 3479، ج: 3، ص: 295

علماء نے "در

الحکام" میں اس کے متعلق یہ تفصیل لکھی ہے کہ:

"وهي كون العامة مشتركين في صلاحية التملك بالأخذ والإحراز للأشياء المباحة التي ليست في الأصل ملكا لأحد كالماء والكلأ والأشجار النابتة في الجبال المباحة، فمياه الأنهار مثلا يشترك فيها عموم بني الإنسان ولكل إنسان أن يأخذ منها الماء بإناء ويتملكه كما أن لجميع الناس أن يسقوا مزارعهم من مياه الأنهار العامة كنهري دجلة والفرات وأن يفتحوا جداول ومجاري إلى مزارعهم"[238]

ترجمہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں کو ان چیزوں میں ملکیت حاصل کرنے کا حق حاصل ہے جو اصل میں کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتیں، جیسے پانی، چراگاہیں (گھاس والے علاقے)، اور پہاڑوں میں اگنے والے درخت۔ مثال کے طور پر، دریاؤں کا پانی تمام انسانوں کے لیے مشترک ہوتا ہے، اور ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ اس پانی کو برتن میں بھر کر استعمال کرے اور اسے اپنی ملکیت بنالے۔ اسی طرح سب لوگوں کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ عام دریاؤں جیسے دجلہ اور فرات سے اپنی کھیتیوں کو پانی دیں، اور ان دریاؤں سے اپنے کھیتوں تک پانی پہنچانے کے لیے نالیاں یا راستے کھولیں۔

لہذا مذکورہ بالا عبارت سے یہ اصول اخذ کیے جا سکتے ہیں:

۱۔ مباحات پر اصل میں کسی فرد یا ریاست کی ملکیت نہیں ہوتی۔

۲۔ جب کوئی شخص ان اشیاء کو اپنی محنت یا قبضے سے حاصل کر لے تو وہ اس پر حقِ ملکیت رکھتا ہے، لیکن یہ ملکیت مخصوص مقدار یا استعمال تک محدود ہوتی ہے، نہ کہ اصل منبع پر۔

۳۔ حقِ انتفاع یعنی ہر شخص کو قدرتی وسائل سے استفادہ کرنے کا برابر کا حق ہے۔

۴۔ شرط احراز یعنی جب کوئی شخص کسی مباح چیز کو اپنے تصرف میں لاتا ہے (مثلاً پانی بھر لیتا ہے)، تو وہ اس مخصوص مقدار پر ملکیت حاصل کر لیتا ہے، مگر اصل منبع بدستور مباح اور عوامی ملکیت میں شامل رہتا ہے۔

[238] درر الحكام في شرح مجلة الأحكام، ج:3، ص:9

شریعت میں نظمِ عام اور سدّالذرائع کا اُصول:

اسلامی قانون نہ صرف فرد کے حقوق کی نگہبانی کرتا ہے، بلکہ اجتماعی مفاد کو ترجیح دیتا ہے۔ اگر کوئی مباح چیز، جیسے پانی، کا بے جا استعمال عوامی نقصان یا قلتِ وسائل کا باعث بنے تو اس کے متعلق شریعت کے دو اصول ہیں:

ا۔ سدّالذرائع:

سد، یسد سداً کا لغوی معنی ہے روکنا یا منع کرنا، اور ذرائع یہ جمع ہے ذریعۃ جس کا معنی ہے وسیلہ۔

اس کے متعلق "علامہ عیاض بن نامی السلمیؒ" لکھتے ہے کہ:

"جمع ذريعة، والذريعة هي الوسيلة المؤدية إلى الشيء، سواء أكان مصلحة أم مفسدة"[239]

ترجمہ: ذرائع "جمع ہے "ذریعہ" کی، اور "ذریعہ" سے مراد وہ وسیلہ یا راستہ ہے جو کسی نتیجے تک پہنچائے، چاہے وہ نتیجہ بھلا ہو یا برا، فائدہ ہو یا نقصان۔

اسی طرح "سد ذرائع" کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"وسد الذرائع :منع الوسائل المفضية إلى المفاسد"[240]

ترجمہ: وسد الذرائع "کا مطلب ہے: ان تمام راستوں یا اسباب کو روک دینا جو کسی برائی یا فساد تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکتے ہوں۔

یعنی اسلامی فقہ میں ایک اہم اصول "منع الوسائل المفضية إلى المفاسد "کا ہے، جس کا مطلب ہے کہ ایسے تمام ذرائع اور اسباب کو روک دینا جو کسی برے، ناجائز یا فساد انگیز نتیجے تک پہنچتے ہوں، خواہ وہ ذرائع بذاتِ خود جائز یا مباح ہی کیوں نہ ہوں۔ شریعت کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صرف حرام نتائج سے ہی منع نہیں کرتی، بلکہ ان راستوں سے بھی روکتی ہے جو ان نتائج کی طرف لے

---

[239] عياض بن نامي السلمي،أصُولُ الفِقهِ الذي لا يَسَعُ الفَقِيهَ جَهْلُهُ،القسم الثالث من الآدلة،الناشر: دار التدمرية، الرياض – السعودية،الطبعة: الأولى، ١٤٢٦ هـ - ٢٠٠٥ م،ص:211

[240] أيضا

جانے کا سبب بن سکتے ہیں۔اس قاعدے کی بنیاد اس فہم پر ہے کہ اگر کسی مباح عمل کا انجام فتنہ، گناہ یا معاشرتی بگاڑ ہو سکتا ہے تو شریعت ایسے عمل سے بھی روکتی ہے تاکہ مفاسد کی روک تھام ممکن ہو۔یہی اصول فقہی اصطلاح میں "سدّالذرائع" کہلاتا ہے، جسے شریعت نے ممکنہ فتنہ وفساد کے اسباب کو روکنے کے لیے اپنایا ہے۔

۲۔ نظم عام:

نظمِ عام سے مراد وہ حالت ہے جس میں معاشرے میں امن،استحکام،اور اجتماعی مفاد کا تحفظ یقینی بنایا جائے،تاکہ لوگ اپنے دینی، معاشی اور سماجی امور آزادی اور اطمینان کے ساتھ انجام دے سکیں۔اسلامی شریعت کے مطابق معاشرتی فلاح اور امنِ عامہ کی حفاظت حکومت کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔اگر کوئی مباح عمل معاشرتی بگاڑ، فتنہ یا لوگوں کے حقوق میں خلل کا باعث بنے تو ریاست کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ایسے عمل کو منظم کرے،اس پر پابندیاں عائد کرے، یا مخصوص حدود مقرر کرے۔اس کا مقصد افراد کے بنیادی حقوق کی حفاظت کے ساتھ ساتھ پورے معاشرے کے امن و سکون کو برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ چنانچہ نظمِ عام کا قیام دراصل شریعت کے اس اصول سے ہم آہنگ ہے کہ "امام (حاکم) کا ہر تصرف رعایا کی مصلحت کے تابع ہوتا ہے"،اور یہ ریاست کو اس بات کا اختیار دیتا ہے کہ وہ وقتی ضوابط کے ذریعے معاشرتی بہتری کو یقینی بنائے۔[241]

تطبیق:

اگرچہ اسلامی شریعت میں پانی ایک مباح چیز ہے جس پر کسی فرد،ادارے یا حکومت کی مستقل ملکیت جائز نہیں،اور ہر شخص کو بہتے ہوئے پانی، بارش یا قدرتی چشموں سے استفادہ کا حق حاصل ہے،تاہم شریعت نے ساتھ ہی یہ اصول بھی واضح کیا ہے کہ اگر کسی مباح چیز کے استعمال سے معاشرتی نقصان، فتنہ، یا وسائل کی قلت کا خطرہ پیدا ہو، تو اس کے ذرائع کو روکا جا سکتا ہے۔ فقہی اصول "سد الذرائع " اسی حقیقت کو بیان کرتا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو اعمال یا ذرائع کسی فساد یا ناجائز نتیجے کی طرف لے جائیں، شریعت ان کو بھی ممنوع قرار دیتی ہے، چاہے وہ بظاہر مباح ہی کیوں نہ ہوں۔

[241] السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن، الأشباه والنظائر، الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: الأولى، ١٤٠٣ هـ - ١٩٨٣ م ،ص:121

لہذا موجودہ ملکی قوانین، جن میں پانی کے استعمال کے لیے اجازت نامے، کنٹرول، نگرانی اور مخصوص صارفین کے لیے ضوابط شامل ہیں، اسی اصول کے شرعی دائرے میں آتے ہیں۔ اگر پانی کے بے قابو استعمال سے قلت، ماحولیاتی خرابی یا عوامی حقوق متاثر ہونے کا خطرہ ہو، تو شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ حکومت انتظامی کنٹرول کے ذریعے ان نقصانات کو روکے۔ چنانچہ پانی جیسے مباح قدرتی وسائل پر ریاست کی طرف سے ضابطہ بندی "سد الذرائع" اور نظم عام یعنی انتظامی امور کے تحت ایک جائز اقدام ہے، بشرطیکہ ان پابندیوں کا مقصد عوامی بھلائی، عدل، اور وسائل کا تحفظ ہو، نہ کہ ناجائز اجارہ داری یا ظلم وغیرہ۔

5۔زمین سے حاصل ہونے والے معدنی وسائل کے متعلق قوانین:

پاکستان میں معدنی وسائل کے قانونی و فقہی پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے "Regulation of Mines and Oilfields and Mineral Development (Government Control) Act, 1948" اور آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 172(3) کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ 1948 کا یہ قانون ایسے وقت میں نافذ کیا گیا جب نئی ریاست کو اپنے قدرتی وسائل کے نظم و نسق کے لیے ایک واضح اور مضبوط قانونی فریم ورک کی ضرورت تھی۔ اس قانون کے تحت وفاقی حکومت کو یہ اختیار حاصل ہوا کہ وہ قومی مفاد میں معدنیات، تیل، اور گیس کے شعبوں میں نہ صرف ضوابط نافذ کرے، بلکہ ان منصوبوں کا انتظام بھی خود سنبھال سکے۔

اسی سلسلے میں آئینی طور پر آرٹیکل 172(3) کے ذریعے یہ اصول واضح کر دیا گیا کہ زمین کے نیچے موجود تیل و گیس جیسے قدرتی ذخائر وفاق اور متعلقہ صوبے کی مشترکہ ملکیت ہوں گے۔ اگرچہ ان قوانین کا ظاہری انداز ریاستی اختیار و کنٹرول پر دلالت کرتا ہے، لیکن جب ہم اس معاملے کا اسلامی و فقہی جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وسائل دراصل "مباحاتِ عامہ" کے زمرے میں آتے ہیں، یعنی ایسی اشیاء جن پر کسی فرد یا خاص گروہ کی ملکیت نہیں بلکہ پورے معاشرے کا حق ہوتا ہے۔ فقہ اسلامی میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ عوامی مفاد سے وابستہ وسائل کی نگرانی اور منصفانہ تقسیم ریاست کی ذمہ داری ہے، تاکہ مفادِ عامہ کا تحفظ ہو سکے۔ لہٰذا ریاست کا ان وسائل پر قانونی اختیار کسی فرد کی ملکیت کی نفی نہیں کرتا، بلکہ یہ اسلامی اصولِ شرکتِ اباحت سے ہم آہنگ ہے، جس کا مقصد ان وسائل کو انصاف، شفافیت اور قومی مفاد کے تحت استعمال میں لانا ہے۔۔

اسی پس منظر میں، ہر صوبے نے اس بارے میں اپنے الگ قوانین تشکیل دیے:

1۔ THE KHYBER PAKHTUNKHWA [MINES AND MINERALS] ACT, 2017

2۔ The Balochistan Mines And Mineral Act 2025

3۔ THE SINDH MINES AND MINERALS GOVERNANCE ACT, 2021

4۔ PUNJAB MINING CONCESSION RULES 2002 Amended up to January 2023

لہذا "Regulation of Mines and Oilfields and Mineral Development (Government Control) Act, 1948" کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔اس بارے میں حکومت کو ضوابط مرتب کرنے کا قانونی اختیار حاصل ہے۔

۲۔ حکومت کسی بھی وقت قومی مفاد میں کسی پراجیکٹ کا کنٹرول سنبھال سکتی ہے۔

۳۔ حکومت کو لائسنس/لیز دینے یا منسوخ کرنے کا مکمل اختیار حاصل ہے۔

لہذا مذکورہ بالا ایکٹ کی روسے ریاست کو زمین سے حاصل ہونے والے معدنی وسائل پر واضح اختیارات تفویض کیے گئے ہیں، جن میں سب سے نمایاں حکومت کے قواعد سازی کا اختیار ہے جس کے تحت وہ تیل، گیس اور دیگر معدنی وسائل کے نکالنے، استعمال اور ترسیل سے متعلق جامع ضوابط مرتب کر سکتی ہے۔اسی طرح قانون کے مطابق حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قومی مفاد کے پیش نظر کسی بھی وقت کسی منصوبے کا کنٹرول خود سنبھال لے، تاکہ عوامی وسائل کا ضیاع یا غلط استعمال روکا جاسکے۔علاوہ ازیں حکومت کو معدنی منصوبوں کے لیے لائسنس یا لیز جاری کرنے، ان کی شرائط طے کرنے اور کسی بھی خلاف ورزی کی صورت میں ان کو منسوخ کرنے کا مکمل اختیار حاصل ہے۔

شرعی تجزیہ:

اسلامی قانونی فکر میں بعض اشیاء ایسی ہوتی ہیں جن پر کسی فرد کی ملکیت لازم نہیں کی جاتی، بلکہ ان کا تعلق عمومی استفادہ اور اجتماعی ضرورت سے ہوتا ہے۔ یہ اشیاء شریعت کی اصطلاح میں "مباحاتِ عامہ" کہلاتی ہیں۔ ان کا بنیادی وصف یہ ہے کہ ان پر ابتدائی حق تمام انسانوں کو مساوی طور پر حاصل ہوتا ہے، البتہ ان کے انتظام و تنظیم کے لیے ریاستی ادارے کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس کے متعلق قانون سازی کرے تاکہ عدل اور مصلحتِ عامہ کا تحفظ یقینی بنایا جاسکے۔ اس اصول کے مطابق قدرتی وسائل جیسے معدنیات، زیرِ زمین تیل و گیس وغیرہ صرف استعمال کے لیے نہیں، بلکہ اجتماعی انتظام کے تحت ان کا نظم و ضبط شریعت کی رہنمائی کے مطابق کیا جاتا ہے۔

لہذا ایک مشہور فقہ اصول ہے کہ:

"الأصل في الأشياء الإباحة حتى يدل الدليل على التحريم"[242]

ترجمہ: اسلامی شریعت کا اصول یہ ہے کہ تمام اشیاء فی الاصل مباح (جائز) ہیں، جب تک کہ ان کے خلاف کوئی واضح دلیل نہ مل جائے۔

اس فقہی قاعدہ "الأصل في الأشياء الإباحة حتى يدل الدليل على التحريم" کا مفہوم یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں تمام اشیاء اور چیزیں اپنی اصل کے اعتبار سے جائز (مباح) ہوتی ہیں، جب تک کہ ان کی ممانعت یا حرمت پر کوئی قطعی شرعی دلیل (قرآن، حدیث یا اجماع) موجود نہ ہو۔ اس قاعدے کی بنیاد قرآن مجید کی اس آیت پر ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾[243]

ترجمہ: وہی (اللہ) ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی ہے، سب تمہارے لیے پیدا کیا۔

---

242 الزحيلي، محمد مصطفى، القواعد الفقهية وتطبيقاتها في المذاهب الأربعة، الباب الأول، الناشر: دار الفكر – دمشق، الطبعة: الأولى، ١٤٢٧ هـ – ٢٠٠٦ م، ج:1، ص:190

243 البقرة: 29

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی تمام چیزیں انسانوں کے نفع کے لیے پیدا کی ہیں۔ لہٰذا تیل، گیس اور معدنیات جیسے قدرتی وسائل بھی بذاتِ خود مباح ہیں، اور ان پر ریاستی قانون کے ذریعے ضوابط لگانا یا ان کا نظم و نسق سنبھالنا، جب تک کہ وہ شرعی حدود کے خلاف نہ ہو، اسلامی اصولِ اباحت کے تحت جائز ہے۔

اس طرح اگر ایک مباح عمل میں کسی وجہ سے فساد اور بگاڑ کا خطرہ ہو تو شریعت حکومت وقت کو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ عوام الناس کو اس مباح سے روکے یا اس مباح عمل کے لیے کسی درجے میں قوانین بنائے تاکہ اس فساد کا ازالہ ہو سکے اس لیے "سد الذرائع" ایک ایسا ضابطہ ہے جو ان مفسدات کنٹرول بھی کر سکتا ہے اور ان مباح سے اشیاء سے کسی درجہ میں فائدہ بھی حاصل کر سکتا ہے۔

تطبیق:

معدنی وسائل چونکہ زمین میں قدرتی طور پر موجود ہیں اور عوام الناس ان سے براہ راست مستفید ہوتے ہیں، تو فقہی اصول کے مطابق ان پر اصل اباحت کا حکم جاری ہو گا، یعنی:

۱۔ تیل، گیس، اور کوئلہ وغیرہ فی نفسہ مباح ہیں۔

۲۔ جب تک ان کے استعمال میں کوئی شریعت کے خلاف امر شامل نہ ہو، ریاست کا ان پر کنٹرول جائز ہے۔

لہٰذا اسلامی شریعت میں "سد الذرائع" ایک اصولی قاعدہ ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اگر کوئی جائز عمل یا وسیلہ کسی حرام، نقصان دہ یا فساد کا سبب بن سکتا ہو، تو اس سے بھی اجتناب کیا جائے گا۔ یہی اصول "سدّ الذرائع" کے طور پر جانا جاتا ہے، جو شریعت کی احتیاط، دور اندیشی، اور معاشرتی مفاسد سے بچاؤ کے اصولوں کا مظہر ہے۔ اسی فقہی اصول کے تحت اگر کسی مباح چیز جیسے پانی، معدنیات یا قدرتی وسائل کا استعمال اس انداز سے کیا جائے کہ وہ عوامی نقصان، وسائل کی قلت، ماحولیاتی بگاڑ یا دیگر معاشرتی فسادات کا ذریعہ بنے، تو شریعت ایسے مباح استعمال کو بھی ضابطے میں لانے کی اجازت دیتی ہے۔

یہی مفہوم "Regulation of Mines and Oilfields and Mineral Development (Government Control) Act, 1948" کی روح میں نظر آتا ہے، جس کے تحت حکومت معدنی وسائل، تیل کے

ذخائر، اور دیگر قدرتی ذخائر کے استحصال کو منظم کرنے کے لیے بعض ضوابط نافذ کرتی ہے۔ اگرچہ ان وسائل کا اصل حکم اسلامی فقہ میں "الإباحة الأصلية" کا ہے، یعنی یہ مباح اور عوامی ملکیت میں شامل ہیں، لیکن جب ان کے بے قابو یا خود غرضانہ استعمال سے اجتماعی نقصان یا ظلم کا اندیشہ ہو، تو شریعت خود اسی کو روکنے کے لیے اقدامات تجویز کرتی ہے۔ پس اس قانون کے تحت ریاست کی طرف سے وسائل کے استعمال پر کنٹرول اور نگرانی "سدالذرائع " کے اصول کے عین مطابق ہے، کیونکہ اس کا مقصد معاشرتی مفاد، وسائل کا تحفظ، اور ممکنہ فساد کا انسداد ہے۔

مزید اس حوالے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اگر کسی کی ذاتی ملکیت میں کوئی معادن، تیل گیس وغیرہ نکل آجائے تو اس پاکستان کے قانون Pakistan Onshore Petroleum (Exploration and Production rules 2013 کے مطابق مندرجہ ذیل تفصیل ہے:

تمہید:

پاکستان میں معدنیات اور بالخصوص تیل و گیس کے ذخائر کی تلاش اور پیداوار کو ایک مربوط نظام میں لانے کے لیے حکومتِ پاکستان نے "Pakistan Onshore Petroleum (Exploration and Production) Rules, 2013" مرتب کیے۔ ان قوانین کا مقصد یہ تھا کہ تیل و گیس کے ذخائر کی تلاش، نکالنے، استعمال اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد کو شفاف، منظم اور ریاستی کنٹرول کے تحت لایا جائے، تاکہ ان وسائل کا استعمال قومی مفاد میں ہو سکے۔

اہم نکات:

ان قوانین کے مطابق زیرِ زمین موجود تیل و گیس کے ذخائر ریاست کی ملکیت قرار دیے گئے ہیں، ان پر صرف حکومت ہی کو حقوق حاصل ہیں۔ حکومت مختلف کمپنیوں کو exploration licences (کھدائی و تحقیق) اور بعد از دریافت development and production leases (پیداوار) جاری کرتی ہے۔ زمین کے ذاتی مالکان کو براہِ راست ذخائر کی ملکیت یا رائلٹی میں کوئی حصہ نہیں ملتا، البتہ اگر زمین استعمال کی جائے یا نقصان پہنچے تو مالک کو اس کا معاوضہ ادا کیا جاتا ہے۔ یہ معاوضہ عام طور پر surface rent، فصلوں، درختوں اور تعمیرات کے نقصان کی قیمت کی صورت میں دیا جاتا ہے۔

لہذا مذکورہ بلا قانون نے یہ واضح کر دیا کہ تیل و گیس کی ملکیت اور ان کی رائلٹی ریاست کو حاصل ہے، جبکہ زمین کے ذاتی مالکان کو صرف سطحی استعمال اور نقصان کا معاوضہ دینے کا قانون موجود ہے۔ اس طرح ایک طرف ریاست اپنے وسائل پر مکمل اختیار رکھتی ہے اور دوسری طرف زمین کے ذاتی مالکان کے حقوق بھی جزوی طور پر محفوظ رہتے ہیں تاکہ ان کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔[244]

شرعی تجزیہ:

فقہاء کی تصریحات کے مطابق زمین کا مالک اپنی زمین کے ساتھ ساتھ اس میں موجود معدنیات (چاہے وہ دھاتیں ہوں، پتھر ہوں یا دیگر دفینے) کا بھی مالک ہوتا ہے۔ جیسا کہ "تکملۃ فتح الملہم" میں مذکور ہے:

"وإن مالك الأرض يملكها بجميع ما في بطنها من حجارة أو معادن وغير ذلك"[245]

ترجمہ: جس کی زمین ہے، وہ اس کے اندر موجود ہر چیز کا بھی مالک ہے، چاہے وہ پتھر ہوں، معدنیات ہوں یا کوئی اور چیز۔

اس اصول کی رو سے اگر کسی ذاتی ملکیت والی زمین سے تیل یا گیس نکلتا ہے تو وہ دراصل اس مالک ہی کی ملکیت قرار پائے گا، البتہ مصلحتِ عامہ (Public Interest) اور سد ذرائع کے اصول کے تحت ریاست کو یہ اختیار حاصل ہو سکتا ہے کہ ان معدنی وسائل کو اپنی نگرانی میں رکھے، کیونکہ یہ وسائل قومی سطح پر عوامی ضرورت سے تعلق رکھتے ہیں اور اگر یہ سب انفرادی مالکان کے سپرد چھوڑ دیے جائیں تو قومی سطح پر نقصان اور انتشار پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح حکومت ملکیت کو نہیں چھینتی، بلکہ مالک کو اس کے surface rights اور نقصان کا معاوضہ ادا کرتی ہے، جیسا کہ پاکستان کے قوانین میں بھی موجود ہے۔ لہذا ایک طرف شریعت کے اصول "مالک زمین زیر زمین اشیاء کا مالک ہے" کا لحاظ ہو جاتا ہے (کہ مالک کو معاوضہ دیا جاتا ہے)، اور دوسری طرف مصلحتِ عامہ کے تحت ریاست ان وسائل کو اپنے کنٹرول میں رکھ کر سب عوام کے فائدے کے لیے استعمال کرتی ہے۔

6۔ شہد کی مکھیاں اور شہد کے متعلق قانون:

قدرتی اشیاء مثلاً پانی، ہوا، جنگلات، پہاڑ، چراگاہیں اور شہد، ابتدائی حالت میں مباحات عامہ میں داخل ہیں، یعنی ایسی چیزیں جن پر کسی ایک فرد کی ملکیت مخصوص نہیں ہوتی، بلکہ تمام انسانوں کو ان سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اسلامی فقہ میں اس تصور کو "مباح عام" یا "اباحت عامہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شہد جو کہ شہد کی مکھیوں کی فطری پیداوار ہے، جب تک کسی شخص کی

---

[244] Pakistan Onshore Petroleum (Exploration and Production) Rules, 2013

[245] تکملة فتح الملهم، كتاب المساقاة، باب تحريم الظلم و غصب الارض، ج:1، ص:675

ملکیت یا محنت سے حاصل نہ ہو مباح ہی شمار ہوتا ہے۔ تاہم جب کوئی فرد شہد کی مکھیوں کو پالے ان کے لیے مخصوص جگہ بنائے اور ان سے شہد حاصل کرے تو وہ شہد اس فرد کی ملکیت بن جاتا ہے؛ کیونکہ اس نے مباح چیز پر قبضہ اور اس پر محنت کرنے سے اسے حاصل کیا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں ریاستِ پاکستان نے شہد اور شہد کی مکھیوں سے متعلق امور کو منظم کرنے کے لیے "اسلام آباد بی کیپنگ اینڈ ہنی بورڈ ایکٹ 2021"[246] نافذ کیا یہ ایکٹ اسلام آباد کی ٹریٹری کے ساتھ خاص ہے اس لیے اس کا نام یہ رکھ دیا گیا ہے۔

یہ قانون شہد کی صنعت کو باقاعدہ ایک ضابطے کے تحت لاتا ہے تاکہ اس کی پیداوار، پیکنگ، معیار، مارکیٹنگ اور برآمدات کو جدید تقاضوں کے مطابق بہتر بنایا جا سکے۔ اس ایکٹ کے تحت اسلام آباد میں "ہنی بورڈ" کے قیام کا فیصلہ کیا گیا، جو اس شعبے سے متعلق پالیسی سازی، تحقیق، رجسٹریشن اور معیار کی نگرانی کے فرائض انجام دے گا۔ شہد کی مکھیوں کی افزائش اور شہد کی تیاری سے متعلق افراد یا اداروں کے لیے رجسٹریشن لازم قرار دی گئی ہے، تاکہ اس صنعت کو باقاعدگی شفافیت اور صحت کے اصولوں کے مطابق چلایا جا سکے۔ اس کے علاوہ شہد کے معیار کو پرکھنے کے لیے لیبارٹریز اور سائنسی جانچ پڑتال کے نظام کو متعارف کرایا گیا ہیں، نیز غیر معیاری یا ملاوٹ شدہ شہد کی فروخت پر سزائیں اور جرمانے بھی مقرر کیے گئے ہیں۔

چونکہ یہ قانون ایک طرف افراد کو مباح سے فائدہ اٹھانے اور محنت کے ذریعے ملکیت حاصل کرنے کا شرعی حق دیتا ہے، اور دوسری طرف ریاست کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ ان مباحاتِ عامہ کو منظم نظم کے تحت لا کر عوامی مفاد، صحت عامہ، اور معیاری پیداوار کو یقینی بنائے۔ اس اعتبار سے یہ قانون ایک جدید قانونی تعبیر ہے اُس فقہی اصول کی جس میں مباح اشیاء پر قبضہ، محنت، اور اہلیت کی بنیاد پر ملکیت ممکن ہے، بشرطیکہ وہ شریعت اور قانون کے دائرے میں ہو۔

شرعی تجزیہ:

اسلامی فقہ کے اصول کے مطابق جو اشیاء فطرتاً کسی کی ملکیت نہ ہوں، وہ مباحات عامہ (Public Commons) میں شامل ہوتی ہیں، اور ان پر قبضہ یا استعمال کی اجازت تمام افراد کو مساوی طور پر حاصل ہوتی ہے، جب تک وہ کسی کی خاص ملکیت میں نہ آ جائیں۔ شہد بھی انہی مباح اشیاء میں شامل ہے، کیونکہ قرآن مجید نے شہد کو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں شمار کرتے ہوئے فرمایا:

---

[246] Islamabad Bee-keeping and Honey Board Act,2021

"فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ"[247]

یعنی کہ اس میں شفاء ہے لوگوں کے لیے۔

فقہاء کی آراء: شہد کی ملکیت اور محنت:

فقہاء کرام کی رائے کے مطابق شہد اگر فطری صورت میں درختوں یا پہاڑوں سے حاصل ہو تو وہ مباح ہے، لیکن اگر کوئی شخص شہد کی مکھیوں کو پالے، چھتے بنائے، اور مخصوص علاقوں میں ان کی افزائش کرے تو یہ شہد اس کی ملکیت قرار پاتا ہے؛ کیونکہ اس نے مباح پر قبضہ اور محنت کے ذریعے اس میں اختصاص پیدا کیا ہے۔

لہذا یہ تفصیل ایک فقہی اصول سے ماخوذ ہے کہ:

"من سبق إلى مباح فهو أحق به"

یعنی کہ جو شخص کسی مباح چیز پر پہلے قبضہ کرے وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔

تطبیق:

2021 میں نافذ کیا گیا اسلام آباد بی کیپنگ اینڈ ہنی بورڈ ایکٹ دراصل اسی فقہی اصول کی عملی تطبیق ہے۔ چنانچہ اس قانون کے تحت مندرجہ ذیل امور ہیں:

ا۔ شہد کی پیداوار کو ان افراد کی محنت اور سرمایہ کاری سے منسوب کیا گیا ہے جنہوں نے باقاعدہ طور پر مکھی پالنے، چھتے بنانے، اور شہد حاصل کرنے کے عمل میں حصہ لیا۔

۲۔ شہد کی کوالٹی کنٹرول، مارکیٹنگ، اور رجسٹریشن جیسے امور کو ریاستی ضوابط کے تابع کر دیا گیا ہے۔

۳۔ صحت عامہ، معیار کی نگرانی، اور صارفین کے تحفظ کے لیے قانون سازی کی گئی ہے۔

چنانچہ اسلامی فقہ میں مصلحتِ عامہ ایک اہم اصول ہے، جس کے تحت ریاست ان امور میں قانون سازی کر سکتی ہے جن کا قرآن و سنت میں صریح ذکر نہ ہو، لیکن جن کا مقصد عوام کی بھلائی، نظام معاشرت کا استحکام، اور بنیادی حقوق کا تحفظ ہو۔ اسی طرح

---

[247] النحل: 69

دفعِ ضرر کا اصول، جو کہ حدیثِ نبوی "لاضرر ولا ضرار" سے ماخوذ ہے، اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ایسا کوئی عمل یا پالیسی اختیار نہ کی جائے جس سے کسی فرد یا معاشرے کو نقصان پہنچے۔ ان دونوں اصولوں کی بنیاد پر اسلامی ریاست پر لازم ہے کہ وہ عوامی مفاد کے تحفظ کے لیے ایسے ضوابط متعین کرے جو ان کی صحت، روزگار، اور مالی مفادات کو محفوظ رکھیں۔

لہٰذا شہد کی پیداوار، کوالٹی کنٹرول، رجسٹریشن، اور مارکیٹنگ سے متعلق ریاستی اقدامات صرف انتظامی امور نہیں، بلکہ شرعی اصولوں کی روشنی میں اسلامی ریاست کی ذمہ داری کا اظہار ہیں۔ یہ تمام ضوابط دراصل مصلحتِ عامہ کے تحفظ اور ضرر سے بچاؤ کی کوششیں ہیں، جن کی فقہی بنیادیں نہ صرف روایتی اسلامی قانون میں موجود ہیں، بلکہ خلفائے راشدین اور بعد کے ادوار میں بھی ان کا نفاذ نظر آتا ہے۔

لہذا اس کے متعلق "درالحکام" میں لکھا ہے کہ:

"والحاصل يجب أن يكون تصرف السلطان والقاضي والوالي والوصي والمتولي والولي مقرونا بالمصلحة وإلا فهو غير صحيح ولا جائز."[248]

ترجمہ: یعنی سلطان، قاضی، گورنر، وصی، متولی اور ولی کا ہر فیصلہ یا اقدام مصلحت کی بنیاد پر ہونا چاہیے، بصورت دیگر وہ نہ تو درست ہوگا اور نہ ہی جائز۔

وضاحت:

اس اصول کی روشنی میں اگر ہم شہد کی پیداوار، نگرانی، اور مارکیٹنگ سے متعلق ریاستی اقدامات کا جائزہ لیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ریاست جب ان امور کو ضوابط، رجسٹریشن، اور معیار کی جانچ جیسے قوانین کے تحت لاتی ہے، تو دراصل وہ مصلحتِ عامہ (Public Interest) کو مدنظر رکھ کر ہی تصرف کر رہی ہے۔ یہ تصرف صرف جائز ہی نہیں، بلکہ شرعی ذمہ داری شمار ہوتی ہے؛ کیونکہ اگر ریاست ان پہلوؤں کو نظرانداز کرے اور عوام کو غیر معیاری، مضر صحت یا دھوکہ دہی پر مبنی شہد یا مصنوعات کے رحم و کرم پر چھوڑ دے، تو یہ "غیر مصلحت پر مبنی تصرف" کے زمرے میں آئے گا، جو فقہی اصول کے مطابق "غیر صحیح" اور "غیر جائز" ہے۔

[248] درر الحكام في شرح مجلة الأحكام، ج:1، ص:58

پس اسلام آباد بی کیپنگ اینڈ ہنی بورڈ ایکٹ 2021 جیسے ضوابط کا نفاذ محض ایک انتظامی معاملہ نہیں، بلکہ ایک شرعی تقاضا ہے۔ جو ان فقہی اصولوں "مصلحتِ مرسلہ" اور "رفعِ ضرر" کے علاوہ مذکورہ بالا قاعدے کی مکمل تطبیق ہے۔ یہ تصرف اس بات کی علامت ہے کہ اسلامی ریاست اپنے فرائض کی بجاآوری میں شریعت کے طے کردہ اصولوں کے تابع ہے اور اس کا ہر اقدام عوامی مفاد، صحت عامہ، اور حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے جائز اور واجب النّفاذ ہے۔

فصل دوم: منفعت کے اعتبار سے موجود پاکستانی قوانین کا شرعی تجزیہ

فصل دوم: منفعت کے اعتبار سے موجود پاکستانی قوانین کا شرعی تجزیہ

1۔ مساجد کے متعلق قانون:

اسلامی تعلیمات میں مسجد صرف ایک عبادت گاہ ہی نہیں بلکہ ایک ایسی مقدس جگہ ہے جو اجتماعی وحدت، مساوات، اور مذہبی آزادی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ کہ مسجد کسی فرد، فرقے یا طبقے کی نجی ملکیت نہیں بلکہ اللہ کی ملکیت ہے، جو تمام مسلمانوں کے لیے یکساں طور پر کھلی ہوتی ہے۔ اس تصور کو فقہی اصطلاح میں "شرکتِ اباحت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کے تحت بعض اشیاء یا مقامات عوامی استفادے کے لیے مختص ہوتے ہیں اور ان پر کسی ایک شخص یا طبقے کی ملکیت نہیں ہوتی۔

لہذا پاکستان ایک اسلامی جمہوری ریاست ہے، جہاں نہ صرف شریعت کے اصولوں کو تسلیم کیا گیا ہے بلکہ ریاستی سطح پر آئینی ضمانتیں بھی فراہم کی گئی ہیں تاکہ شہریوں کو اپنے دینی فرائض کی ادائیگی میں مکمل آزادی حاصل ہو۔ آئینِ پاکستان 1973 کا آرٹیکل 20 اس ضمن میں نہایت اہم ہے، جو مذہبی آزادی کے بنیادی حق کو تسلیم کرتا ہے۔

اس آرٹیکل کے مطابق:

"ہر شہری کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے، اس کی ترویج کرنے، اس کے مطابق عمل کرنے اور عبادت کرنے کا مکمل حق حاصل ہے۔"

یہ آئینی شق نہ صرف مذہبی آزادی کی ضامن ہے، بلکہ اس کی رُو سے ہر مسلمان کو مسجد میں نماز ادا کرنے سے روکنا آئین کی خلاف ورزی بھی شمار ہوتا ہے۔ عملی طور پر بعض اوقات مساجد پر کسی خاص مکتبہ فکر یا گروہ کا غلبہ ہو جاتا ہے، جو دوسرے افراد کو وہاں نماز پڑھنے سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن شرعی اصول، فقہی احکام، اور آئینی ضمانتیں اس طرزِ عمل کو قبول نہیں کرتیں۔ مساجد کا عمومی استعمال، نہ صرف اسلامی تصورِ عبادت کی روح کے مطابق ہے بلکہ ریاستی قانون کے دائرے میں بھی ایک محفوظ حق کے طور پر تسلیم شدہ ہے۔ لٰہذا، "شرکتِ اباحت" کے اصول کا اطلاق اگر کسی معاصر اور زندہ مثال کے طور پر دیکھا جائے، تو مساجد کی عمومی دستیابی ایک واضح مظہر کے طور پر سامنے آتی ہے، جس کا تحفظ فقہی، اخلاقی، اور قانونی ہر سطح پر ضروری ہے۔

شرعی تجزیہ:

اسلام کا نظامِ زندگی انسان کو صرف روحانی ترقی ہی نہیں دیتا بلکہ ایک منظم سماجی ڈھانچہ بھی فراہم کرتا ہے۔اس میں عبادات کے ساتھ ساتھ معاشرتی، معاشی، اور قانونی اصول بھی شامل ہیں۔ مسجد کو اسلامی معاشرے میں جو مقام حاصل ہے وہ محض ایک عبادت گاہ کی حد تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک ایسا مرکز ہے جہاں سے عدل، مساوات، علم، اتحاد، اور اجتماعی بھلائی کے اصولوں کو فروغ دیا جاتا ہے۔ فقہی طور پر مسجد کو "شرکتِ اباحت" کے تحت شمار کیا جا سکتا ہے، یعنی ایسی جگہ جو تمام مسلمانوں کے لیے عام اور یکساں طور پر کھلی ہو۔

چنانچہ شرکتِ اباحت فقہ اسلامی کی ایک معروف اصطلاح ہے جو ان اشیاء اور مقامات کے لیے استعمال ہوتی ہے جو سب کے لیے بلا امتیاز قابلِ استعمال ہوں۔ یہ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جنہیں شریعت نے نجی ملکیت سے خارج رکھا ہے اور ان کے استعمال کو سب کے لیے مباح قرار دیا ہے۔

اسلام میں مذہبی آزادی کا قرآنی و نبوی تصور:

اسلام اپنے ماننے والوں کو صرف عبادات یا عقائد کی آزادی ہی نہیں دیتا، بلکہ دوسروں کے مذاہب، نظریات، اور جذبات کا احترام کرنے کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذہبی آزادی کا حق صرف مسلمانوں تک محدود نہیں، بلکہ غیر مسلم اقلیتوں کو بھی ان کے عقائد، عبادات، اور رسوم کی ادائیگی میں آزادی حاصل ہے۔اس حوالے سے قرآن مجید میں ارشاد مبارک ہے کہ:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾[249]

ترجمہ: دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے، بے شک ہدایت اور گمراہی واضح طور پر الگ ہو چکی ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہے کہ:

"أي لا تكرهوا أحدا على الدخول في دين الإسلام فإنه بين واضح جلي دلائله وبراهينه لا يحتاج إلى أن يكره

[249] البقرة: 256

أحد على الدخول فيه بل من هداه الله للإسلام وشرح صدره ونور بصيرته دخل فيه على بينة ومن أعمى الله قلبه وختم على سمعه وبصره فإنه لا يفيده الدخول في الدين مكرها مقسورا"[250]

ترجمہ: یعنی کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کرو، کیونکہ دینِ اسلام کی نشاندہی اور دلائل خود واضح اور روشن ہیں۔ جو شخص اللہ کی ہدایت سے مشرف ہو، اس کا دل خود بخود اسلام کی طرف راغب ہوتا ہے اور وہ فہم و بصیرت کے ساتھ اسے قبول کرتا ہے۔ تاہم، اگر اللہ کسی کے دل کو بند کر دے اور اس کی نگاہوں اور کانوں پر پردہ ڈال دے، تو وہ شخص خواہ جبر کے تحت بھی اسلام میں داخل ہو، اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ اس کا دل اور عمل بے دلی اور مجبوری کے تحت ہوں گے۔

آرٹیکل 20: ایک آئینی ضمانت

شریعت کی رو سے کسی بھی مسلمان کو صرف اس کے مسلک یا فقہی نظریے کی بنیاد پر مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنا جائز نہیں، کیونکہ مسجد اجتماعی وحدت، مساوات، اور اخوت کی علامت ہے۔ دوسری طرف، اسلام اقلیتوں کو بھی ان کے عقائد اور مذہبی رسومات پر عمل کی مکمل آزادی فراہم کرتا ہے، اور ان کی مذہبی جذبات کے احترام کو صرف اخلاقی فرض نہیں، بلکہ شرعی ذمہ داری بھی سمجھتا ہے۔ یہی تعلیمات نبی کریم ﷺ کے زمانے میں عملی طور پر میثاقِ مدینہ کی صورت میں ظاہر ہوئیں، جہاں یہودیوں اور عیسائیوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی۔

یہی روح آئینِ پاکستان 1973 کے آرٹیکل 20 میں بھی نظر آتی ہے، جس کے مطابق ہر فرد کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کا بنیادی حق حاصل ہے۔ لہٰذا اسلامی شریعت اور پاکستانی آئین دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ مسجد ہر مسلمان کی عبادت گاہ ہے اور غیر مسلم اقلیتوں کو بھی یہ مکمل آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے مذہب پر عمل کریں۔ اس کا عملی تقاضا یہ ہے کہ نہ تو کسی مسلمان کو محض مسلکی اختلاف کی بنیاد پر مسجد سے روکا جائے اور نہ ہی کسی غیر مسلم کو اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے میں رکاوٹ ڈالی جائے۔ شریعت کا مزاج عدل، رواداری اور مساوات پر مبنی ہے، جس میں نہ کسی مذہب پر جبر کی اجازت ہے اور نہ ہی کسی فرد یا گروہ کو اپنی اجارہ داری قائم کرنے کا حق حاصل ہے اسلامی ریاست میں ہر شہری کو مساوی حقوق حاصل ہوتے ہیں، چاہے اس کا تعلق کسی بھی مذہب، قوم، نسل یا مسلک سے ہو۔ لہٰذا ریاست کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مساجد کو ہر مسلمان کے لیے یکساں قابلِ رسائی بنائے اور غیر مسلم

---

[250] ابن كثير، عماد الدين أبو الفداء إسماعيل، تفسير ابن كثير، دار النشر : مؤسسة قرطبة، الطبعة : الأولى، سنة الطبع : 1412ھ، 2000م، ج:2، ص:444

اقلیتوں کے مذہبی، قانونی اور تہذیبی حقوق کی بھی مکمل حفاظت کرے۔ یہ دو طرفہ اصول دراصل ایک ایسا متوازن معاشرہ تشکیل دیتے ہیں جہاں دین، آئین، اور سماجی اقدار ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

2۔ سرکاری تعلیمی اداروں کے متعلق قوانین:

اسلامی فقہ میں "شرکتِ اِباحہ "اُس شرکت کو کہتے ہیں جس میں کوئی مباح چیز کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہو، تمام انسانوں کے لیے فائدہ اٹھانے کے لیے یکساں طور پر دستیاب ہو۔ مثلاً پانی، ہوا، چراگاہیں، راستے، اور دیگر ایسی اشیاء جنہیں اسلامی شریعت نے تمام افراد کے لیے برابر کا حق تسلیم کرتے ہوئے استعمال کے لیے مباح قرار دیا ہے، مباح عام کے زمرے میں آتی ہیں۔ اسی اصول کے تحت جب ہم ریاستی سرپرستی میں قائم تعلیمی اداروں کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت بالکل نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ یہ ادارے بھی ایک طرح کی مشترکہ مباح سہولت ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھانے کا حق ہر شہری کو حاصل ہے، بغیر کسی امتیاز، حسب و نسب، مذہب، ذات یا زبان کے عوام کے ٹیکسوں سے چلنے والے یہ ادارے، اپنے بنیادی تصور کے لحاظ سے، کسی فردِ واحد کی ملکیت نہیں، بلکہ ایک اجتماعی سرمایہ ہیں جن پر تمام اہلِ وطن کا برابر حق ہے۔

یہی تصور پاکستان کے آئین 1973ء کی دفعہ A-25 میں قانونی اور آئینی زبان میں بیان ہوا ہے، جس میں کہا گیا ہے:

"ریاست اس بات کی پابند ہے کہ وہ 5 سے 16 سال کی عمر کے تمام بچوں کو قانون کے مطابق مفت اور لازمی تعلیم مہیا کرے۔"

یہ آئینی ضمانت نہ صرف تعلیم کے حق کو تسلیم کرتی ہے بلکہ ریاست کو اس کی فراہمی کا ذمہ دار بھی ٹھہراتی ہے۔ چنانچہ جب ریاست ہر شہری کو بلا معاوضہ تعلیم کی سہولت مہیا کرتی ہے، تو وہ تعلیم، اور اس کا انفراسٹرکچر (جیسے اسکول، کالج، اساتذہ، کتب، عمارتیں وغیرہ) درحقیقت "مباح عام" کی صف میں داخل ہو جاتے ہیں۔ فقہی اصول کے تحت اگر کسی چیز سے بلا تخصیص تمام انسان فائدہ اٹھا سکتے ہوں اور اس کا مصرف سب کے لیے ہو، تو وہ "مشترکہ عوامی ملکیت" کے دائرے میں آتی ہے۔ اس اصول کا اطلاق سرکاری تعلیمی اداروں پر کیا جائے تو یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ یہ ادارے بھی فقہی طور پر مشترکہ مباح اشیاء میں شمار کیے جا سکتے ہیں، جن سے فائدہ اٹھانے کا اختیار ہر شہری کو مساوی طور پر حاصل ہے۔

اسی طرح چونکہ 18ویں ترمیم (2010) کے بعد تعلیم ایک صوبائی معاملہ بن گیا ہے، لہٰذا ہر صوبے نے تعلیم سے متعلق اپنے قوانین وضع کیے ہیں:

1۔ Punjab Free and Compulsory Education Act 2014

2۔ Khyber Pakhtunkhwa Free Compulsory Primary and Secondary Education Act 2017

3۔ Sindh Right of Children to Free and Compulsory Education Act 2013

4۔ Balochistan Compulsory Education Act 2014

لہذا آئینِ پاکستان کی دفعہ 25- A کے تحت ریاست پر لازم ہے کہ وہ 5 سے 16 سال کی عمر کے تمام بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرے۔ اس آئینی تقاضے کی تکمیل کے لیے پاکستان کے چاروں صوبوں نے اپنے اپنے دائرہ اختیار میں قوانین مرتب کیے ہیں۔ پنجاب نے 2014 میں "The Punjab Free and Compulsory Education Act" منظور کیا، جس کے مطابق ہر بچے کو بلا معاوضہ تعلیم فراہم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے، اور والدین پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اسکول بھیجیں۔ سندھ نے 2013 میں "Sindh Right of Children to Free and Compulsory Education Act" منظور کیا، جس میں نجی اسکولوں کو بھی پابند کیا گیا ہے کہ وہ اپنی نشستوں کا 10 فیصد غریب اور مستحق بچوں کے لیے مختص کریں۔ بلوچستان نے 2014 میں "Balochistan Compulsory Education Act" منظور کیا، جس کا مقصد صوبے میں مفت اور لازمی تعلیم کو یقینی بنانا ہے۔

خیبر پختونخوا نے 2017 میں "The Khyber Pakhtunkhwa Free Compulsory Primary and Secondary Education Act" منظور کیا، جس کے تحت 5 سے 16 سال کی عمر کے بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ اس قانون میں "School Attendance Authority" کے قیام کا بھی ذکر ہے، جو بچوں کی اسکول میں حاضری کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کرے گی۔ ان تمام قوانین

کا مقصد تعلیم کو ایک ایسی مشترکہ مباح سہولت بنانا ہے جس سے تمام شہری بلا تفریق فائدہ اٹھا سکیں، جو کہ فقہی اصول "شرکتِ اِباحہ" کے عین مطابق ہے۔

شرعی تجزیہ:

مندرجہ بالا صوبائی قوانین کا شرعی تجزیہ اس امر کی تائید کرتا ہے کہ تعلیم، بالخصوص مفت اور لازمی تعلیم، شریعت کے اصولِ اشتراک و مساوات کے عین مطابق ایک "مباحِ عام (public right) " ہے، جس پر تمام افراد بلا امتیاز حق رکھتے ہیں۔ فقہ اسلامی میں "شرکتِ اِباحت" کا اصول اُن اشیاء پر لاگو ہوتا ہے جو نہ کسی فرد کی ملکیتِ خاص ہوں اور نہ ہی کسی مخصوص فریق کے لیے مخصوص ہوں، بلکہ جن سے ہر انسان بلا معاوضہ اور بلا تخصیص استفادہ کر سکتا ہو، جیسے کہ پانی، چراگاہیں، یا عوامی راستے وغیرہ۔ اسی طرح ریاستی تعلیمی ادارے اور ان تک مفت رسائی اسی قبیل کی مثالیں ہیں، کیونکہ یہ سہولت تمام شہریوں کو بلا معاوضہ اور مساوی بنیاد پر میسر آتی ہے۔ ان اداروں میں تعلیم کی فراہمی اور حصولِ علم کا عمل ایک ایسا اجتماعی مفاد ہے جو شریعت کے اس قاعدے پر قائم ہے:

"ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب "

یعنی جس کے بغیر کوئی واجب مکمل نہ ہو سکے، وہ خود بھی واجب ہو جاتا ہے۔

اس قاعدے کی مزید وضاحت میں "علامہ محمد حسن عبد الغفار" اپنی مشہور کتاب "تيسير أصول الفقه للمبتدئين" میں لکھتے ہے:

"شيء واجب عليك لا يمكن أن تصل إليه إلا بأمر آخر، فالأمر الآخر الذي سيوصلك إلى الواجب أيضا واجب، مثال ذلك :رجل يجب عليه في الصلاة ستر العورة ومعه مال وليس عنده ثياب، فيجب عليه شراء الثوب، فالأصل في شراء الثوب أنه ليس بواجب، لكن يجب هنا لغيره؛ ليستر عورته من أجل الصلاة"[251]

ترجمہ: یعنی کہ اگر کوئی چیز (کام) آپ پر واجب ہے، اور آپ اس واجب تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ کوئی دوسرا کام نہ کریں، تو وہ دوسرا کام بھی واجب ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر ایک آدمی پر نماز کے دوران سترِ عورت (یعنی بدن کے مخصوص حصوں کو ڈھانپنا) واجب ہے، لیکن اس کے پاس کپڑا نہیں ہے، البتہ اس کے پاس کچھ مال موجود ہے۔ اب چونکہ وہ

[251] محمد حسن عبد الغفار، تيسير أصول الفقه للمبتدئين، مصدر الكتاب: دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية، ج:2، ص:14

نماز کی ادائیگی اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کپڑا نہ ہو، تو کپڑا خریدنا بھی اس پر واجب ہو جائے گا۔ حالانکہ عام حالات میں کپڑا خریدنا کوئی شرعی فرض نہیں ہوتا، لیکن یہاں اس لیے واجب ہو گیا کیونکہ اس کے بغیر نماز جیسا فرض ادا نہیں ہو سکتا۔

اس قاعدے کی رو سے جب تعلیم بذاتِ خود ایک شرعی فریضہ ہے، اور اس کی تکمیل ان مخصوص ذرائع و وسائل کے بغیر ممکن نہیں، تو ان ذرائع کی فراہمی بھی شریعت کے نزدیک ضروری ولازمی امر بن جاتا ہے۔ چنانچہ اگر حکومت تعلیم کی مفت اور لازمی فراہمی کے لیے ادارے قائم کرتی ہے، اساتذہ مہیا کرتی ہے، نصاب تیار کرتی ہے، اور کتابیں فراہم کرتی ہے تو یہ اقدام صرف ایک انتظامی یا قانونی کارروائی نہیں بلکہ ایک شرعی ذمہ داری کی تکمیل بھی ہے۔

اسلامی ریاست کی ذمہ داری صرف نظم و نسق یا عدل وانصاف کی فراہمی تک محدود نہیں، بلکہ وہ تمام فرائض جو معاشرے کی فلاح، بقا اور دینی ترقی کے لیے ضروری ہوں، ان کی انجام دہی بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ اس تناظر میں تعلیمی اداروں کا قیام صرف عوامی خدمت یا حکومت کی طرف سے "احسان" نہیں، بلکہ ایک ایسا شرعی فریضہ ہے جو فرضِ کفایہ کی نوعیت رکھتا ہے۔

فرضِ کفایہ کی حیثیت سے تعلیم کی فراہمی:

اسلامی فقہ کے مطابق فرضِ کفایہ وہ فریضہ ہے جو اگر معاشرتی سطح پر کچھ افراد پورا کر لیں تو باقی لوگ اس سے بری ہو جاتے ہیں، لیکن اگر کوئی بھی فرد یا گروہ اس ذمہ داری کو پورا نہیں کرتا تو سارا معاشرہ گناہگار ہو جاتا ہے۔ اس کے متعلق امام غزالیؒ لکھتے ہے کہ:

"فالعلوم التي ليست بشرعية تنقسم إلى ما هو محمود وإلى ما هو مذموم وإلى ما هو مباح فالمحمود ما يرتبط به مصالح أمور الدنيا كالطب والحساب وذلك ينقسم إلى ما هو فرض كفاية وإلى ما هو فضيلة وليس بفريضة أما فرض الكفاية فهو علم لا يستغني عنه في قوام أمور الدنيا كالطب إذ هو ضروري في حاجة بقاء الأبدان وكالحساب فإنه ضروري في المعاملات وقسمة الوصايا والمواريث وغيرهما وهذه هي العلوم التي لو خلا البلد عمن يقوم بها حرج أهل البلد وإذا قام بها واحد كفى وسقط الفرض عن الآخرين"[252]

[252] الغزالي، أبو حامد محمد بن محمد، إحياء علوم الدين، الباب الثاني في العلم المحمود والمذموم وأقسامهما وأحكامهما، الناشر: دار المعرفة – بيروت، ج:1،ص:16

ترجمہ: پس وہ علوم جو شرعی (دینی) نہیں ہیں، وہ تین قسموں میں تقسیم ہوتے ہیں: کچھ قابلِ تعریف (محمود) ہیں، کچھ مذموم، اور کچھ مباح (یعنی نہ اچھے نہ برے) قابلِ تعریف علوم وہ ہیں جن کا تعلق دنیاوی مصلحتوں سے ہوتا ہے، جیسے طب (میڈیکل سائنس) اور حساب (ریاضی)، اور یہ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک فرضِ کفایہ، اور دوسرا محض فضیلت رکھنے والا علم جو فرض نہیں۔ فرضِ کفایہ وہ علم ہے جس کے بغیر دنیا کے امور درست طریقے سے نہیں چل سکتے، جیسے طب، کیونکہ یہ انسانی جسم کی بقا کے لیے ضروری ہے، اور جیسے حساب، کیونکہ یہ لین دین، وصیتوں کی تقسیم، وراثت اور دیگر معاملات میں ضروری ہوتا ہے۔ یہ وہ علوم ہیں جنہیں اگر کسی شہر یا بستی میں کوئی نہ جانتا ہو، تو پورا معاشرہ گناہگار ہو جائے گا، اور اگر ایک شخص بھی اس کو اختیار کر لے، تو باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا۔

اس عبارت کی تطبیق:

چنانچہ امام غزالیؒ نے "احیاء علوم الدین" میں غیر شرعی (یعنی دنیوی) علوم کو ان کی افادیت کے لحاظ سے مختلف اقسام میں تقسیم کیا ہے، اور واضح فرمایا ہے کہ وہ علوم جو انسانی معاشرت کی بقاء اور نظامِ دنیا کی درستگی کے لیے ناگزیر ہوں، جیسے طب، حساب، اور دیگر فنی و سائنسی علوم، وہ شرعی اعتبار سے فرضِ کفایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ اگر کسی بستی یا قوم میں ایسے علوم کے ماہرین موجود نہ ہوں تو تمام لوگ گناہ کے مرتکب ہوں گے، اور اگر کچھ افراد یہ ذمہ داری ادا کر لیں تو باقی بری الذمہ ہو جائیں گے۔

اس اصول کی روشنی میں جب ہم تعلیم کے نظام کو دیکھتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام ضروری علوم جنہیں امام غزالیؒ نے فرض کفایہ قرار دیا ہے یہ اُن کے حصول کا پہلا زینہ ہے۔ یعنی تعلیم ہی وہ بنیادی وسیلہ ہے جس سے انسان ان مفید اور ضروری علوم تک پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا تعلیم کا نظم قائم کرنا، اور عوام کو مفت و مساوی بنیادوں پر اس تک رسائی دینا صرف قانونی فریضہ نہیں، بلکہ ایک شرعی فرضِ کفایہ بھی ہے۔

چونکہ امام غزالیؒ کے مطابق وہ دنیوی علوم جن پر معاشرے کے مصالح اور نظامِ حیات کا دار و مدار ہو، ان کا سیکھنا فرضِ کفایہ ہے، اور چونکہ ان علوم تک رسائی کا بنیادی ذریعہ تعلیم ہے، لہٰذا ان علوم کے حصول کے لیے جو بنیادی ڈھانچہ (infrastructure) درکار ہے جیسے اسکول، اساتذہ، کتب اور تعلیمی ادارے ان کا قیام اور ان کے ذریعے مفت تعلیم کی فراہمی شرعاً اسی فرضِ کفایہ کی عملی صورت ہے۔ چنانچہ جب ریاست تمام شہریوں کو بلا معاوضہ تعلیم کی سہولت مہیا کرتی ہے تو وہ نہ صرف

قانونی تقاضا پورا کر رہی ہوتی ہے، بلکہ امام غزالیؒ کے بیان کردہ اصول کے مطابق ایک شرعی فریضے کو بھی ادا کر رہی ہوتی ہے۔ یوں ریاستی تعلیمی اداروں کا قیام اور ان میں مفت تعلیم کی مساوی فراہمی درحقیقت امام غزالیؒ کے اصولی موقف کی مکمل عملی تطبیق ہے۔

3۔ پارک اور پلے گراؤنڈ وغیرہ کے متعلق قوانین:

اسلامی فقہ میں بعض اشیاء اور مقامات کو ایسی نوعیت حاصل ہے کہ وہ کسی فردِ واحد کی ملکیت میں نہیں آتیں، بلکہ ان سے استفادہ تمام انسانوں کے لیے بلا امتیاز ممکن ہوتا ہے۔ اس تصور کو فقہی اصطلاح میں "شرکتِ اباحت" کہا جاتا ہے، جو کہ ایسے وسائل پر مبنی ہوتی ہے جو فطرتاً تمام انسانوں کے لیے کھلے ہوتے ہیں، جیسے پانی، چراگاہیں، راستے، اور بعض اوقات وہ مقامات جنہیں ریاست یا سماج نے عوامی مفاد کے لیے وقف کر دیا ہو۔ یہ اصول ایک ایسا فقہی ضابطہ ہے جس میں ملکیت کی بجائے اجازتِ عامہ کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ اسلامی معاشرتی نظم میں یہ تصور نہ صرف عدل و مساوات کا مظہر ہے بلکہ اجتماعی مفاد، معاشی توازن، اور سماجی ہم آہنگی کو برقرار رکھنے کا بھی ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ جدید قانونی نظام میں بھی اس اصول کا عکس واضح نظر آتا ہے، کہ جہاں بعض وسائل کو عوامی ملکیت (public property) اور عوامی استفادے (public use) کے لیے مخصوص کیا جاتا ہے۔

کسی بھی ریاست کے آئین میں بنیادی حقوق وہ ستون ہیں جن پر فرد کی آزادی، برابری اور شہری عزت کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک اہم حق یہ ہے کہ ریاست کے عوامی مقامات، جو سیر، تفریح، آرام یا اجتماع کے لیے مخصوص ہوں اور کسی خاص مذہب سے منسلک نہ ہوں، وہاں ہر شہری کو بغیر کسی امتیاز کے مساوی رسائی ملنی چاہیے۔ آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 26(1) میں اسی اصول کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے:

"In respect of access to places of public entertainment or resort, not intended for religious purposes only, there shall be no discrimination against any citizen on the ground only of race, religion, caste, sex, residence or place of birth."[253]

CONSTITUTION OF PAKISTAN Article 26-1[253]

کہ ایسے مقامات پر کسی بھی شہری کو صرف اس کے مذہب، نسل، ذات، جنس، جائے پیدائش یا سکونت کی بنیاد پر محروم نہیں کیا جا سکتا۔ اس آئینی ضمانت کا مقصد معاشرے میں غیر مساوی سلوک کی نفی کرتے ہوئے شہریوں کے مابین برابری کو فروغ دینا ہے، تاکہ تمام افراد کو ریاست کے فراہم کردہ سہولیات اور مقامات تک مساوی رسائی حاصل ہو۔ یہ اصول نہ صرف ایک قانونی ضرورت ہے بلکہ معاشرتی ہم آہنگی، رواداری، اور انصاف کے قیام کے لیے ناگزیر ہے۔

شرعی تجزیہ:

اسلامی فقہ میں انسانوں کے درمیان عدل، مساوات اور رفاہِ عامہ کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ فقہی اصولوں میں شرکتِ اباحت ایک ایسا اہم تصور ہے جو ان تصورات کی عملی تعبیر فراہم کرتا ہے۔ یہ اصول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بعض اشیاء اور مقامات ایسے ہوتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے کی ملکیت میں نہیں ہوتے بلکہ تمام انسانوں کے لیے برابر مباح اور قابلِ استفادہ ہوتے ہیں۔ ان اشیاء میں پانی، چراگاہیں، آگ، عوامی راستے، اور وہ مقامات شامل ہیں جنہیں عرفاً یا شرعاً عوامی مفاد کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہو۔

پاکستان کے آئین کا آرٹیکل 26 اس اسلامی اصول کا ایک آئینی عکس پیش کرتا ہے جس میں اس امر کی ضمانت دی گئی ہے کہ تمام شہریوں کو عوامی مقامات تک بلا امتیاز رسائی حاصل ہو گی۔

مشترکہ عوامی ملکیت کے دائرہ کار میں شامل اشیاء:

فقہ اسلامی کے مطابق شرکتِ اباحت کا دائرہ اُن تمام اشیاء اور مقامات پر محیط ہوتا ہے جو فطرتاً یا عرفاً تمام انسانوں کے لیے مباح اور قابلِ استفادہ ہوں، اور جن پر کسی فرد، طبقے یا ادارے کی انفرادی ملکیت نہ ہو۔ ان اشیاء میں سب سے پہلے پانی آتا ہے، جیسا کہ بہتے ہوئے دریا، بارش کا پانی اور چشمے، بشرطیکہ ان پر کسی کی ملکیت نہ ہو۔ چراگاہیں بھی اسی دائرہ میں شامل ہیں جہاں مویشی آزادانہ چرتے ہیں اور جنہیں ریاست نے عام استفادے کے لیے چھوڑ رکھا ہو۔ اسی طرح قدرتی ایندھن، جیسے لکڑیاں، کوئلہ، سورج کی روشنی یا آگ، جب تک نجی طور پر حاصل نہ کیے گئے ہوں، سب کے لیے مباح ہوتے ہیں۔

خصوصی توجہ کے لائق وہ عوامی تفریحی مقامات ہیں جو ریاست یا سماج نے رفاہِ عامہ کے لیے مخصوص کر دیے ہوں، جیسے پلے گراؤنڈز (کھیل کے میدان)، پارک ,چوک و میدان، سرکاری لائبریریاں، عوامی بس اسٹاپس، اور دیگر ایسی جگہیں جہاں لوگ

سیر، تفریح، یا اجتماعی اجتماع کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ یہ تمام مقامات عرفاً عوامی املاک شمار ہوتے ہیں اور شریعت میں ان سے استفادہ پر کسی امتیاز کی اجازت نہیں دی گئی، بشر طیکہ ان کا استعمال جائز اور پر امن مقاصد کے لیے ہو۔ فقہی اصول کے مطابق جب کوئی چیز عام انسانوں کی سہولت کے لیے فراہم کی گئی ہو، تو اس پر کسی خاص فرد یا طبقے کا تسلط یا اجارہ نہ صرف غیر شرعی بلکہ ظلم کے مترادف ہو گا۔ اسی بنیاد پر فقہاء نے عوامی مقامات پر پابندی یا امتیاز کو ناپسندیدہ اور بعض حالات میں حرام بھی قرار دیا ہے۔

شرکتِ اباحت کا مقصد اور شرعی حکمت:

شرکتِ اباحت کا فقہی اصول محض ایک معاشی یا قانونی قاعدہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے گہری شرعی حکمتیں اور سماجی مقاصد کار فرما ہیں۔ اس اصول کا بنیادی مقصد عدل و مساوات کا فروغ ہے، تاکہ معاشرے کے ہر فرد کو بنیادی اور فطری ضروریات تک یکساں رسائی حاصل ہو، خواہ وہ کسی بھی طبقے، نسل یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اسلام میں تمام انسانوں کو عزت، احترام اور مساوی حقوق حاصل ہیں، اور شرکتِ اباحت اسی نظریے کا عملی اظہار ہے۔ جب تمام افراد کو پانی، راستے، چراگاہیں اور تفریحی عوامی مقامات تک بلا امتیاز رسائی حاصل ہو، تو معاشرے میں کسی قسم کی طبقاتی برتری یا امتیازی سلوک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اس کے ساتھ یہ اصول سماجی ہم آہنگی (social harmony) پیدا کرنے میں بھی کلیدی کردار ادا کرتا ہے، کیونکہ جب ہر فرد خود کو برابر کا شہری محسوس کرتا ہے اور اس کے لیے سہولیات تک رسائی کھلی ہوتی ہے تو اس کے دل میں ریاست اور دیگر افراد کے لیے اعتماد، رواداری اور خیر سگالی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ یوں شرکتِ اباحت نہ صرف فقہی اصول ہے بلکہ اسلامی معاشرتی عدل کا ایک بنیادی ستون ہے۔

تطبیق:

پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 26(1) میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ ایسے تمام عوامی تفریحی یا اجتماع کے مقامات، جو مذہبی مقاصد کے لیے مخصوص نہ ہوں، وہاں ہر شہری کو مساوی رسائی حاصل ہو گی اور کسی کے ساتھ نسل، مذہب، ذات، جنس، جائے پیدائش یا رہائش کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہیں رکھا جائے گا۔ یہ آئینی ضمانت دراصل اسلامی فقہ کے اُس اصول کی عکاسی کرتی ہے جسے شرکتِ اباحت کہا جاتا ہے۔ فقہی نقطۂ نظر سے وہ تمام اشیاء اور مقامات جن سے استفادہ فطرتاً یا عرفاً تمام انسانوں کے لیے مباح

ہو، جیسے پانی، راستے، چراگاہیں، پارک، کھیل کے میدان اور دیگر عوامی سہولیات، ان پر کسی خاص فرد یا طبقے کی اجارہ داری جائز نہیں۔ شریعت نے ان اشیاء تک مساوی رسائی کو جائز قرار دیا ہے اور ان پر غیر قانونی قبضے یا امتیازی سلوک کو ظلم کے برابر سمجھا ہے۔

چنانچہ آئین کی یہ شق اور فقہ کا اصول شرکتِ اباحت دونوں ایک دوسرے کے ہم آہنگ اور متفق ہیں، اور ان کا مقصد معاشرتی مساوات، عدل اور اجتماعی مفاد کو یقینی بنانا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی فقہ اور ملکی قانون دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ عوامی وسائل سب کے لیے یکساں طور پر قابلِ استفادہ ہونے چاہیں۔

4۔ سرکاری ہسپتال کے حوالے سے قوانین:

سرکاری ہسپتالوں کا قیام ریاست کی جانب سے ایک ایسا اقدام ہے جو شرکتِ اباحت کے اصول پر مکمل طور پر منطبق ہوتا ہے۔ ان ہسپتالوں کی خدمات، وسائل، دوائیں اور سہولیات اس بنیاد پر فراہم کی جاتی ہیں کہ یہ ہر شہری کا حق ہے، نہ کہ حکومت کا احسان۔ لہٰذا اگر کسی فرد کو علاج کی سہولت سے محروم کیا جائے یا مالی مجبوری کی وجہ سے سرکاری علاج تک رسائی نہ ہو، تو یہ نہ صرف آئینی خلاف ورزی ہوگی بلکہ فقہی طور پر بھی ایک ناجائز امتیاز کہلائے گا۔

اس سلسلے کے تناظر میں پاکستانی آئین کا آرٹیکل 38[254](ڈی) ریاست کو اس امر کا پابند بناتا ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو زندگی کی ناگزیر ضروریات جیسے بیماری، بے روزگاری، بڑھاپے، معذوری اور بے سہارا پن کی حالت میں بنیادی سہولیات مہیا کرے۔ یہ شق نہ صرف ایک فلاحی ریاست کے تصور کی عکاسی کرتی ہے بلکہ اسلامی اصولِ مساوات اور بیت المال کے فکری تسلسل کو آئینی صورت میں پیش کرتی ہے۔

اسلامی فقہ میں "شرکتِ اباحت" ایک ایسا اصول ہے جو ان اشیاء و وسائل کے اشتراک کو تسلیم کرتا ہے جو فطری طور پر سب انسانوں کی اجتماعی ملکیت ہوں، جیسے پانی، چراگاہیں، یا راستے۔ اسی اصول کے اطلاق کو اگر ریاستی سطح پر دیکھا جائے، تو عوامی مفاد کے وہ تمام وسائل جنہیں ریاست مہیا کرتی ہے، مثلاً سرکاری ہسپتال، تعلیمی ادارے، اور پارک — ان سب پر عوام کا مساوی اور بلاامتیاز حق تسلیم کیا جانا چاہیے۔

CONSTITUTION OF PAKISTAN Article38-D[254]

آرٹیکل 38 (ڈی) کی روح میں بھی یہی تصور مضمر ہے کہ ریاستی وسائل کا مصرف صرف ایک طبقے یا مخصوص گروہ تک محدود نہ ہو، بلکہ عامۃ الناس کے لیے ہو، اور یہ امر "شرکتِ اباحت" کے اس شرعی نظریے سے ہم آہنگ ہے جس کے مطابق جن اشیاء میں اختصاص نہ ہو، وہ سب کے لیے مساوی طور پر مباح ہیں۔ چنانچہ سرکاری ہسپتال جیسے ادارے محض سہولت نہیں، بلکہ شرعی و آئینی تقاضے کے تحت اجتماعی ملکیت کی حیثیت رکھتے ہیں، جن تک رسائی ہر شہری کا حق ہے، نہ کہ رعایت۔

شرعی تجزیہ:

اسلامی ریاست کا بنیادی مقصد عدل، مساوات، اور عامۃ الناس کی فلاح ہے۔ قرآن و سنت اور فقہی اصولوں کی روشنی میں ریاست کو صرف نظم و نسق کا ذریعہ نہیں، بلکہ ایک اجتماعی نگہبان (Guardian Entity) تصور کیا گیا ہے، جو اپنے شہریوں کے لیے بنیادی ضروریات کی فراہمی کی ذمہ دار ہے۔ اسی تناظر میں سرکاری ہسپتالوں کا قیام محض ایک حکومتی سہولت نہیں، بلکہ ایک شرعی ذمہ داری بھی ہے۔ ریاست ان اداروں کو عوامی مفاد کے لیے قائم کرتی ہے، اور ان کی خدمات (ادویات، بستر، ڈاکٹرز کی سہولیات) کسی خاص فرد یا طبقے کے لیے مخصوص نہیں ہوتیں، بلکہ بلا امتیاز ہر شہری کو دستیاب ہونی چاہئیں۔

آرٹیکل کی تطبیق:

پاکستانی آئین کا آرٹیکل 38 (ڈی)[255] ریاست کو اس امر کا پابند بناتا ہے کہ وہ اپنے تمام شہریوں کو زندگی کی بنیادی ضروریات، جیسے خوراک، لباس، رہائش، تعلیم اور علاج معالجہ، بلا امتیاز فراہم کرے۔ اس آئینی شق کا مقصد یہ ہے کہ وسائل اور دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں نہ ہو، بلکہ ان کا استعمال عوام الناس کی فلاح و بہبود کے لیے ہو۔ اس تناظر میں اگر سرکاری ہسپتالوں کی سہولیات پر ایک خاص طبقے کی اجارہ داری قائم ہو جائے یا عوام کی ایک بڑی تعداد کو ان سہولیات سے محروم رکھا جائے، تو یہ نہ صرف آئین کی صریح خلاف ورزی ہو گی بلکہ اسلامی اصولِ مساوات سے بھی متصادم ہو گا۔

چنانچہ آرٹیکل 38 (ڈی) دراصل اسلامی شریعت میں بیان کردہ اس اصول کی آئینی شکل ہے جس کے مطابق وہ اشیاء اور وسائل جن پر کسی فرد کی ذاتی ملکیت ثابت نہ ہو، ان میں تمام افراد برابر کے شریک ہوتے ہیں، اور ان تک رسائی ہر شہری کا حق ہے، نہ کہ کسی کا احسان۔

CONSTITUTION OF PAKISTAN Article38-D[255]

5۔ بازار:

آئینِ پاکستان 1973 کا آرٹیکل 18 شہریوں کو پیشہ، تجارت یا کاروبار اختیار کرنے کی آزادی فراہم کرتا ہے، جو کہ ایک اسلامی جمہوری ریاست میں بنیادی انسانی حق تصور کیا جاتا ہے۔ اس آرٹیکل کے تحت ہر پاکستانی شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی جائز اور قانونی پیشے یا کاروبار میں مشغول ہو، بشرطیکہ وہ عوامی مفاد اور قانون کی حدود میں ہو۔ یہ شق نہ صرف انفرادی خود مختاری کی ضمانت دیتی ہے، بلکہ قومی معیشت کی ترقی میں ہر شہری کے مؤثر کردار کو ممکن بناتی ہے۔ تاہم، یہ آزادی مطلق نہیں، بلکہ ریاست اس پر بعض قانونی، اخلاقی اور عوامی مفاد کے تحت مخصوص پابندیاں لگا سکتی ہے۔ مثلاً بعض حساس یا قومی مفاد سے متعلق شعبہ جات میں ریاست خود نگرانی رکھتی ہے، جیسے اسلحہ، توانائی یا صحت عامہ سے متعلق کاروبار۔

اسلامی نقطہ نظر سے بھی یہ اصول عین شریعت کے مطابق ہے کیونکہ اسلام میں معاش کے حلال ذرائع اختیار کرنا پسندیدہ عمل ہے، اور ہر شخص کو محنت کر کے روزی کمانے کی مکمل آزادی حاصل ہے۔ اگرچہ آئین میں اس آزادی کی ضمانت دی گئی ہے، لیکن عملاً اس پر کئی رکاوٹیں موجود ہیں جیسے بیوروکریسی کی پیچیدگیاں، مالیاتی سہولتوں کی عدم دستیابی، اور بعض سماجی و صنفی رکاوٹیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ریاست نہ صرف اس آئینی حق کا تحفظ کرے، بلکہ اس کے عملی نفاذ کو بھی یقینی بنائے تاکہ ہر شہری معاشی طور پر خود کفیل ہو سکے اور ملک کی مجموعی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکے۔

شرعی تجزیہ:

اسلام ایک متوازن معاشی نظام پیش کرتا ہے جو فرد کو محنت، کسبِ معاش، اور تجارت کی آزادی دیتا ہے، بشرطیکہ وہ شریعت کے دائرے میں ہو۔

ا۔ معاشی آزادی کا اصول:(Principle of Economic Freedom)

اسلامی شریعت میں "معاشی آزادی" ایک تسلیم شدہ اصول ہے جس کی بنیاد قرآن و سنت کی متعدد نصوص پر قائم ہے۔ شریعت کا عمومی قاعدہ "الأشياء في الأصل على الإباحة" ہے، یعنی بنیادی طور پر شریعت کی رو سے ہر اقتصادی معاملہ اس وقت تک جائز اور قابل عمل سمجھا جاتا ہے، جب تک کہ ان کی حرمت کسی واضح شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر تجارت وکاروبار کے جواز اور فضیلت کا ذکر آیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾[256]

ترجمہ: "اللہ نے خرید وفروخت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔"

یہ آیت تجارتی آزادی کی واضح شرعی دلیل ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے خود بھی تجارت فرمائی اور صحابہ کرام کو بھی جائز کاروبار کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی مثال معروف ہے کہ انہوں نے مدینہ آکر صرف "بازار کا راستہ بتاؤ" کہا اور تجارت شروع کی۔ اسلامی قانون کے تحت ہر عاقل و بالغ مسلمان کو تجارت کی اجازت ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی شرعی ممنوعہ پہلو نہ ہو، جیسے دھوکہ، سود، جوا، فحاشی، حرام اشیاء کی خرید وفروخت وغیرہ۔

۲۔ پابندی کی گنجائش:

اگرچہ شریعتِ اسلامیہ معاشی سرگرمیوں میں عمومی آزادی فراہم کرتی ہے، تاہم یہ آزادی مطلق نہیں بلکہ بعض شرائط و حدود کی پابند ہے یہ اصول شریعت میں تسلیم شدہ ہے کہ جب کسی معاملے میں عوامی مفاد (مصالح عامہ)، اخلاقی بگاڑ یا کسی شرعی ممانعت کا پہلو پایا جائے تو ایسی سرگرمی پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے۔ اسلامی فقہ میں یہ تصور موجود ہے کہ ریاست کو "تقیید المباح" یعنی مباح چیزوں پر بعض شرعی یا اجتماعی مفاد کے تحت پابندیاں لگانے کا اختیار حاصل ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ کی حدیث مبارکہ ہے کہ:

"إما أن تزيد في السعر، وإما أن ترفع من سوقنا"[257]

ترجمہ: یا تو تم قیمت بڑھاؤ، یا ہماری مارکیٹ سے اپنا سامان اٹھالو۔

حضرت عمرؓ کا یہ قول اسلامی نظامِ احتساب کی ایک مثال ہے جس میں بازار کے نظم وضبط اور عوامی مفاد کو برقرار رکھنے کے لیے نگران (محتسب) کو اختیار حاصل ہے کہ وہ غیر منصفانہ قیمت پر فروخت کرنے والے یا تجارتی عدم توازن پیدا کرنے والے فرد کو روک سکے۔ بعض روایات کے مطابق، ایک شخص مارکیٹ ریٹ سے بہت کم قیمت پر سامان فروخت کر رہا تھا جس سے دوسرے

[256] البقرة: 275

[257] مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني، الموطأ، كتاب البيوع، الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت — لبنان، عام النشر: ١٤٠٦ هـ - ١٩٨٥ م، ج:2، ص:651

تاجروں کو نقصان پہنچ رہا تھا، تو محتسب نے اسے یہ تنبیہ کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت میں اگرچہ تجارتی آزادی دی گئی ہے، لیکن جب کوئی عمل بازار کے عدل، توازن یا دیگر تاجروں کے حق کو نقصان پہنچائے تو ریاست کو مداخلت کا شرعی حق حاصل ہے۔ یہ اصول آج کے دور میں ریگولیٹری باڈیز یا ریاستی نگرانی کی شرعی بنیاد بھی فراہم کرتا ہے۔

تطبیق:

اسلامی فقہ کی رو سے حلال روزی کا حصول نہ صرف پسندیدہ ہے بلکہ اسے عبادات کا درجہ حاصل ہے، اور بہت سی شرعی نصوص میں اس کی بھرپور ترغیب دی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"طلب الحلال فريضة بعد الفريضة"[258]

ترجمہ: حلال رزق کے حصول کو شریعت نے ان اعمال میں شمار کیا ہے جو عبادات کے بعد ایک اہم دینی فریضہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

چنانچہ اسی کے ساتھ شریعت ریاست کو اس امر کا پابند کرتی ہے کہ وہ معاشرے کے افراد کے لیے رزقِ حلال کے مواقع فراہم کرے، معاشی ناانصافی اور عدم مساوات کا ازالہ کرے، اور فقر و فاقہ سے نجات کے اسباب مہیا کرے۔ اس پس منظر میں آئینِ پاکستان کا آرٹیکل 18 شرعی اصولوں سے ہم آہنگ نظر آتا ہے، کیونکہ وہ ہر شہری کو جائز اور قانونی کاروبار تجارت یا پیشے کی آزادی دیتا ہے۔ بشرطیکہ یہ آزادی اسلامی اخلاقیات، عدل اور عوامی مفاد کے اصولوں کے تابع ہو، تو یہ شق نہ صرف جائز بلکہ اسلامی ریاست کے تصورِ معاشی عدل اور فلاحِ عامہ کے حصول کا مؤثر ذریعہ بن سکتی ہے۔

6۔ راستیں، روڈ وغیرہ کے متعلق قوانین:

پاکستان میں عوامی گزرگاہوں، سڑکوں اور بنیادی ساخت کے تحفظ کے لیے THE PAKISTAN PENAL CODE,1860 میں چند اہم دفعات شامل کی گئی ہیں:

[258] علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، كتاب البيوع، باب الاول في الكسب، الفصل الأول: في فضائل الكسب الحلال، ج:4، ص:5، رقم الحديث:9203 الناشر : مؤسسة الرسالة، الطبعة : الطبعة الخامسة ،1401هـ/1981م

جن میں دفعہ 268[259] اور دفعہ 431 خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ دفعہ 268 میں "عوامی تکلیف Public) (Nuisance" کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے، جس کے مطابق کوئی بھی ایسا فعل یا کوتاہی جو عوام الناس کی زندگی، صحت، تحفظ، سکون یا سہولت کو نقصان پہنچائے، ایک جرم شمار ہوتا ہے۔ اس میں راستوں کو بلاوجہ روکنا، گزرگاہوں پر قبضہ کرنا یا عوامی آمد ورفت میں رکاوٹ ڈالنا شامل ہے۔ اس کے برعکس دفعہ 431 ان افراد کے خلاف کارروائی کی اجازت دیتی ہے جو کسی سڑک، پل، یا عوامی راستے کو نقصان پہنچا کر عوامی مفاد کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس دفعہ کے تحت ایسی شرارت یا بدنیتی پر مبنی حرکت جو عوامی راستے کو ناقابلِ استعمال یا خطرناک بنادے، مجرمانہ عمل قرار پاتی ہے۔ یہ دفعات واضح طور پر اس بات کو نمایاں کرتی ہیں کہ پاکستان کا فوجداری قانون عوامی املاک اور گزرگاہوں کے آزادانہ و محفوظ استعمال کو یقینی بنانے میں سنجیدہ ہے۔

شرعی تجزیہ:

اسلامی فقہ کی رو سے بعض اشیاء اور وسائل کو مشترکہ عوامی ملکیت (جائز و مباح شدہ) قرار دیا گیا ہے جن پر کسی فرد یا ادارے کی ملکیت نہیں ہوتی، بلکہ وہ عوام الناس کے اجتماعی فائدے کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔ فقہاء نے ان اشیاء کو "الاشیاء المشترکہ" یا "الاشیاء المباحۃ" کے نام سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ پانی، کھلے راستے، چراگاہیں، اور سڑکیں وغیرہ۔ اس اصول کے مطابق، عوام کو ان اشیاء سے برابر فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہوتا ہے، بشرطیکہ اس سے کسی دوسرے کا نقصان نہ ہو۔ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 268، جو عوامی تکلیف (Public Nuisance) کو جرم قرار دیتی ہے، دراصل اسی فقہی اصول کا قانونی عکس ہے کہ کوئی شخص مباح چیز جیسے راستے کو اس طرح استعمال نہ کرے جو دوسروں کے لیے ضرر یا تکلیف کا باعث بنے۔ اسی طرح دفعہ 431، جو عوامی سڑک یا پل کو نقصان پہنچانے کو "شرارت (mischief)" قرار دیتی ہے، اسلامی تعلیمات کے اس اصول سے ہم آہنگ ہے کہ "لا ضرر ولا ضرار" (نہ خود نقصان پہنچاؤ اور نہ کسی کو نقصان دو)۔ پس یہ دفعات اسلامی اصولِ شرکتِ اباحت کے تقاضوں کو عملی شکل دیتی ہیں؛ کیونکہ وہ مباح اشیاء کے غیر منصفانہ اور ضرر رساں استعمال کو روکنے اور عوامی مفاد کے تحفظ کو یقینی بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔

[259] THE PAKISTAN PENAL CODE,1860

تطبیق:

اسلامی فقہ میں "لاضرر ولاضرار" ایک مشہور قاعدہ ہے جو انسانوں کے باہمی تعلقات میں عدل، مساوات اور ضرر سے اجتناب کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ نہ خود کسی کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ کسی کے ذریعے نقصان برداشت کیا جائے۔ یہ قاعدہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، جو سنن ابن ماجہ، موطأامام مالک[260] اور دیگر کتب حدیث میں وارد ہوا ہے اور فقہائے کرام نے اسے اسلامی قانون کا ایک بنیادی اصول قرار دیا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے بعض اشیاء کو عوامی اشتراک (شرکتِ اباحت) کے تحت مباح قرار دیا ہے، جیسے پانی، چراگاہیں، کھلے راستے، اور عوامی گزرگاہیں، تاکہ سب لوگ مساوی طور پر ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ تاہم اس اباحت کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ کوئی فرد ان اشیاء کا استعمال ایسے انداز میں کرے جو دوسروں کے لیے ضرر یا تکلیف کا باعث بنے، کیونکہ اس سے "لاضرر" کے اصول کی خلاف ورزی ہو گی۔

یہی اصول پاکستان کے تعزیراتی قانون میں بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ مثلاً تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 268 کے تحت اگر کوئی شخص کسی عوامی راستے، گزرگاہ یا مقام کو بند کر دے یا اس میں رکاوٹ پیدا کرے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے، تو یہ "Public Nuisance" کے زمرے میں آتا ہے، اور شریعت کے قاعدہ "لاضرر" کی صریح خلاف ورزی تصور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح دفعہ 431 کے مطابق اگر کوئی شخص کسی پل یا سڑک کو نقصان پہنچاتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگوں کی آمد ورفت میں دقت پیش آتی ہے، تو یہ "ولاضرار" کا مصداق ہے، یعنی جان بوجھ کر دوسروں کے لیے ضرر پیدا کرنا، جو کہ شرعاً بھی ممنوع ہے اور قانوناً بھی قابل سزا ہے۔

پس یہ ثابت ہوتا ہے کہ "لاضرر ولاضرار" کا اصول نہ صرف اسلامی فقہ میں شرکتِ اباحت کے ضابطے کے طور پر بنیادی حیثیت رکھتا ہے، بلکہ پاکستانی قانون کی متعدد دفعات میں بھی اسی اصول کی عملی تعبیر موجود ہے۔ یہ ہم آہنگی اس بات کی دلیل ہے کہ شریعتِ اسلامی کا اجتماعی فلاح وتحفظ پر مبنی تصور جدید قوانین کی تشکیل اور تشریح میں بھی راہنما اصول کے طور پر برقرار ہے۔

---

[260] امام مالک، مالك بن أنس، الموطأ، كتاب الأقضية، باب القضاء في المرفق، ج:4، ص:1078، رقم الحديث: 2758، الناشر: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان، الطبعة : الاولى 1425هـ – 2004م،

نتائج

1۔ مشترکہ عوامی ملکیت سے مراد ایسی اشیاء ہیں جن پر کسی فرد کی ذاتی ملکیت قائم نہیں ہوتی، بلکہ تمام انسانوں کو ان سے استفادے کا یکساں حق حاصل ہوتا ہے۔

2۔ شرکت کی مختلف اقسام ہیں، جن میں سے ایک شرکت اباحت بھی ہے، جس کو ہم نے اردو میں **"مشترکہ عوامی ملکیت"** سے تعبیر کیا ہے۔اس قسم کی شرکت کا تصور قرآن وسنت سے ثابت ہے، جیسا کہ بعض احادیث میں پانی، آگ اور گھاس کو عام انسانوں کے لیے مباح قرار دیا گیا ہے، جو اس اصول کی بنیاد فراہم کرتا ہے کہ بعض اشیاء میں تمام انسان برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

3۔ مشترکہ عوامی ملکیت میں شامل اشیاء پر اگر کوئی شخص اصول کے مطابق سبقت لے کر قبضہ حاصل کرے تو شرعی طور پر وہ اس کا مالک بن جاتا ہے، بشرطیکہ یہ تصرف کسی دوسرے کے حق یا عوامی مفاد کے خلاف نہ ہو۔

4۔ مشترکہ عوامی ملکیت کی کچھ صورتیں قدیم ہیں جن کے بارے میں فقہاء نے تفصیلاً لکھا ہیں، جیسے پانی، آگ، چراگاہیں اور راستے، یہ فقہی لحاظ سے مباحاتِ عامہ کے طور پر تسلیم کی جاتی ہیں، جن میں کچھ تفصیل کے ساتھ تمام انسان برابر کے شریک ہیں۔

5۔ معاصر دور میں بھی مشترکہ عوامی ملکیت کی کئی جدید صورتیں رائج ہیں، ان کو ہم نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہیں:

الف: ملکیتی صورتیں(Ownership-Based Modles) جیسے جنگلات کی لکڑیاں، شکار کا لائسنس، ذخیرہ شدہ پانی، جنگلات میں پھل دار درخت، قدرتی مشروم، شہد وغیرہ۔

ب: منفعتی صورتیں(Servise-Based Modles) جیسے بجلی (سٹریٹ لائٹس)، پارک، نہریں،، راستے، روڈ، بازار اور عوامی سہولتیں، سرکاری لائبریریاں، سرکاری تعلیمی ادارے، سرکاری ہسپتال وغیرہ، ان کو شرعی اصولوں کی روشنی میں مشترکہ عوامی ملکیت قرار دیا جاسکتا ہے۔

6۔ مشترکہ عوامی ملکیت کی کچھ صورتوں سے متعلق پاکستان کے مختلف قوانین موجود ہیں، جیسے پاکستان وائلڈ لائف آرڈیننس 1971، پاکستان فارسٹ ایکٹ 1927، پاکستان فیشریز آرڈیننس 1961، مزید پاکستان کے آئین کے آرٹیکل

18،38،26،25،20وغیرہ ان قوانین کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قوانین میں اصولی طور پر کوئی خرابی نہیں ہے،البتہ ان قوانین میں انتظامی طور پر بہتری کی گنجائش ہے۔

7۔اسلامی شریعت میں مشترکہ عوامی ملکیت کا تصور دراصل اجتماعی ذمہ داری اور عدلِ اجتماعی کے اصول پر مبنی ہے، جو ریاست کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ عوامی املاک کو افراد کے بجائے عوام الناس کے مفاد میں استعمال کرے۔

سفارشات

1) ریاستی سطح پر ایسی قانون سازی کی جائے جو قدرتی وسائل اور عوامی املاک کو عوامی ملکیت تسلیم کرتے ہوئے ان کے غیر منصفانہ استعمال سے روک سکے۔

2) عوامی مقامات (جیسے پارک، نہریں، گزرگاہیں) کو شرعی اصولوں کے مطابق سب کے لیے قابل رسائی بنایا جائے اور ان پر ناجائز تجاوزات کی روک تھام کی جائے۔

3) سرکاری ہسپتالوں، تعلیمی اداروں اور ٹرانسپورٹ جیسی سہولیات کو مشترکہ عوامی ملکیت کے اصول کے مطابق مزید تقویت دی جائے اور ان کی کارکردگی بہتر بنائی جائے۔

4) ریاستی ادارے اور قانون ساز ادارے اس امر کو یقینی بنائیں کہ عوامی املاک کو صرف حکومتی ملکیت نہ سمجھا جائے، بلکہ اسے پوری قوم کی مشترکہ امانت تصور کیا جائے۔ چنانچہ ان اموال کی حفاظت کو ایک اجتماعی فریضہ قرار دیا جائے، اور ان کے نقصان یا ضیاع کی صورت میں نہ صرف قانونی کارروائی کی جائے، بلکہ عوام میں شرعی ذمہ داری اور دینی شعور بھی اجاگر کیا جائے کہ ان املاک کو نقصان پہنچانا درحقیقت پوری ملت کے ساتھ خیانت اور ظلم ہے۔

5) پاکستانی قوانین میں مشترکہ عوامی ملکیت سے متعلق کوئی اصولی شرعی خرابی محقق کی رائے میں موجود نہیں ہے، تاہم انتظامی اور تنفیذی طور پر کچھ خامیاں پائی جاتی ہیں، جن کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔

فہارس

- فہرست آیات
- فہرست احادیث
- فہرست مصادر مراجع

فہرست آیات

نمبر	آیات	سورت	صفحہ نمبر
1	هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا...............	البقرة:29	54،144
2	لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ...............	البقرة:256	152
3	وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا...............	البقرة:275	165
4	فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ.....................	النساء:12	46
5	يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ...............	المائدة:4	66
6	أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ...............	المائدة:96	56
7	وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ...............	الاعراف:157	71
8	فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ...............	النحل:69	147
9	إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ...............	النحل:90	128
10	فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ...............	الکھف:19	48
11	وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي...............	طہ:32	49
12	وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ...............	الانبیاء:30	73
13	قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ...............	فاطر:40	49

14	وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ...............	ص:24	47
15	وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا...............	الجاثية:13	57

فہرست احادیث

نمبر	احادیث	کتب احادیث	صفحہ نمبر
1	أتيت النبى -صلى الله عليه وسلم- فجعلوا يثنون على	سنن اَبي داود،4838	52
2	أَقْطَعَ بِلاَلَ بْنَ الْحَارِثِ الْمُزَنِيَّ مَعَادِنَ الْقَبَلِيَّةِ	سنن اَبي داود،3063	58
3	إن الله يقول أنا ثالث الشريكين...............	سنن اَبي داود،3385	50
4	أن النبي ﷺ مر بسعد وهو يتوضأ	مسند أحمد بن حنبل،7065	74
5	ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة ولا ينظر إليهم	سنن اَبي داود،3476	73
6	سألت النبي ﷺ فقال: إذا أرسلت كلبك المعلم فقتل فكل	صحيح البخاري،175	65
7	طلب الحلال فريضة بعد الفريضة	كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال،9203	166
8	العجماء جبار والبئر جبار والمعدن	صحيح البخاري،1428	58
9	غزوت مع النبى -ﷺ- ثلاثا أسمعه يقول	سنن اَبي داود،3479	57
10	لاضرر ولاضرار	سنن ابن ماجه،2341	133
11	لا يمنع فضل الماء ليمنع به الكلأ	صحيح البخاري،2353	72

فہرست مصادر مراجع

- أحكام القرآن، أبو بكر الجصاص، أحمد بن علي الرازي،الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت
- إحياء علوم الدين، الغزالي، أبو حامد محمد بن محمد، الناشر: دار المعرفة – بيروت
- الأشباه والنظائر في قواعد وفروع فقه الشافعي ، عبد الرحمن سيوطی دار الكتب العلمية بيروت، لبنان
- الأشباه والنظائر في قواعد وفروع فقه الشافعية، السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن، الناشر: دار الكتب العلمية
- أصُولُ الِفقهِ الذي لا يَسَعُ الفَقِيهَ جَهْلهُ، عياض بن نامي السلمي، الناشر: دار التدمرية، الرياض – السعودية
- أقرب المسالك لمذهب الإمام مالك، أحمد بن محمد بن أحمد الدردير ،مكتبة أيوب
- الإقناع في مسائل الإجماع، أبو الحسن ابن القطان، علي بن محمد بن عبد الملك الكتامي الحميري الفاسي، الناشر: الفاروق الحديثة للطباعة والنشر
- الباب فی شرح الكتاب، علامه عبد الغنى الميدانى، الناشر: المكتبة العلمية، بيروت - لبنان،
- البحر المحيط الثجاج في شرح صحيح الإمام مسلم بن الحجاج، الإتيوبي، محمد بن علي بن آدم بن موسى، الناشر: دار ابن الجوزي – الرياض
- بدائع الصنائع، الكاساني،علاء الدين أبو بكر بن مسعود بن أحمد،الناشر: دار الكتب
- البيان والتحصيل، القرطبي، أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد، الناشر : دار الغرب الإسلامي، بيروت – لبنان، الطبعة : الثانية
- تفسير ابن كثير، ابن كثير، عماد الدين أبو الفداء إسماعيل،دار النشر
- التفسير الوسيط للقرآن الكريم، محمد سيد طنطاوى، دار نهضة مصر للطباعة والنشر والتوزيع
- تكملة فتح الملهم، شيخ تقي عثماني،مكتبة دارالعلوم كراتشي

- التوقيف على مهمات التعاريف، المناوي القاهري، زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي بن زين العابدين الحدادي
- تيسير أصول الفقه للمبتدئين، محمد حسن عبد الغفار،مصدر الكتاب: دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية
- جامع الترمذی ، ابو عیسی محمدبن عیسیٰ الترمذی،دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض
- حاشية الروض المربع شرح زاد المستقنع، الحنبلي النجدي، عبد الرحمن بن محمد بن قاسم العاصمي، الناشر: (بدون ناشر)،
- الحاوي في فقه الشافعي، الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الناشر : دار الكتب العلمية، الطبعة
- الخراج،المؤلف:أبويوسف يعقوب بن إبراهيم،الطبعة : الطبعةالثالثة عام 1382هـ،الناشر : المطبعةالسلفية ومكتبتها القاهرة
- درر الحكام في شرح مجلة الأحكام،المؤلف: علي حيدر خواجه أمين أفندي،الطبعة: الأولى، 1411هـ
- دستور العلماء، الأحمد نكري، القاضي عبد رب النبي بن عبد رب الرسول، دار النشر
- الزحيلي، محمد مصطفى،القواعد الفقهية وتطبيقاتها في المذاهب الأربعة،الباب الأول،الناشر: دار الفكر – دمشق
- سبل السلام،محمد بن إسماعيل الأمير الكحلاني الصنعاني، الناشر : مكتبة مصطفى البابي الحلبي
- سنن ابن ماجة،ابی عبدالله محمد بن یزید، دارالاسلام للنشر والتوزیع الریاض
- سنن ابی داؤد ،سلیمان بن الاشعث السجستانی،دارالتاصیل
- سنن أبي داود، أبو داود، سليمان بن الأشعث السجستاني
- سنن نسائی،امام ابی عبد الرحمن ،مرکز الرسالة للدراسات وتحقیق الثرات
- شرح القواعد السعدية، عبد المحسن بن عبد الله الزامل، الناشر: دار أطلس الخضراء للنشر والتوزيع، الرياض – المملكة العربية السعودية

- شرح فتح القدير على الهداية، ابن الهمام، كمال الدين الحنفي، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصفى البابي الحلبي وأولاده بمصر، وصَوّرتْها: دار الفكر،
- شركات العقد في الشرع الإسلامي، صالح بن زابن المرزوقي البقمي،الناشر: مكتبة الرشد — الرياض
- شمس الدين القرطبي، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي، الجامع لأحكام القرآن، الناشر : دار عالم الكتب
- صحیح بخاری، ابو عبدالله محمد بن اسماعیل بخآری ،دار ابن کثیر دمشق بیروت
- صحیح مسلم،ابو الحسین مسلم بن حجاج بن قشیری -دارالخلافة العلمية
- طلبة الطلبة، النسفي ،عمر بن محمد بن أحمد بن إسماعيل، أبو حفص، نجم الدين ، الناشر: المطبعة العامرة، مكتبة المثنى ببغداد،
- العدة في أصول الفقه، القاضي أبو يعلى، محمد بن الحسين الفراء
- عمدة القاري شرح صحيح البخاري، العيني الحنفي،بدر الدين
- الفتاوى الهندية،الناشر: دار الفكر
- الفقه الإسلاميّ في ثوبه الجديد، مصطفى الزرقاء،الفقرة:132،مطبعة جامعة دمشق
- الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ، الزُّحَيْلِيّ ،وَهْبَة بن مصطفى،الناشر: دار الفكر - سوريَّة — دمشق
- الفقه على المذاهب الأربعة، عبد الرحمن بن محمد عوض الجزيري، الناشر: دار الكتب العلمية
- قرة عيون الأخيار: تكملة رد المحتار على الدر المختار، محمد علاء الدين أفندي، الناشر: دار الفكر، بيروت
- كشاف القناع عن الإقناع، البهوتي الحنبلي، منصور بن يونس، الناشر: وزارة العدل في المملكة العربية السعودية،
- كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي، الناشر : مؤسسة الرسالة
- كتاب الخراج،امام أبويوسف، يعقوب بن إبراهيم، الناشر : المطبعةالسلفية ومكتبتها القاهرة
- لسان العرب، ابن منظور، محمد بن مكرم الأفريقي المصري،الناشر : دار صادر — بيروت

- المبدع شرح المقنع، برهان الدين ،محمد ابن مفلح، أبو إسحاق، الناشر : دار عالم الكتب، الرياض،
- المبسوط، السرخسي، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة، الناشر: دار المعرفة – بيروت
- مجلة الأحكام العدلية: المؤلف:لجنة مكونة من عدة علماء وفقهاء في الخلافة العثمانية
- مجلة مجمع الفقه الإسلامي . منظمة المؤتمر الإسلامي بجدة
- مجموع الفتاوى، ابن تيمية،أحمد ، الناشر: مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف - المدينة المنورة – السعودية
- مختار الصحاح، الرازي ،محمد بن أبي بكر بن عبدالقادر ، الناشر : مكتبة لبنان ناشرون – بيروت، الطبعة طبعة جديدة
- المدخل الفقهي العام (الفقه الإسلامي في ثوبه الجديد) : مصطفى أحمد الزرقا ، ط. 1967م ، دار الفكر
- المدخل الفقهي العام، مصطفي احمد الزرقاء، دار القاع،الطبعة
- مسند أحمد بن حنبل أحمد بن حنبل، أبو عبد الله أحمد بن محمد،الناشر : عالم الكتب – بيروت
- المصباح المنير في غريب الشرح الكبير للرافعي، الفيومي،أحمد بن محمد بن علي المقري ، الناشر : المكتبة العلمية - بيروت،
- المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي : محمد عثمان شبير ، ط2 ، 1418 هـ 1998م ، دار النفائس الأردن .
- المعتصر من شرح مختصر الأصول من علم الأصول، أبو المنذر محمود بن محمد بن مصطفى المنياوي، الناشر: المكتبة الشاملة
- المعجم الوسيط، نخبة من اللغويين بمجمع اللغة العربية بالقاهرة الناشر: مجمع اللغة العربية بالقاهرة
- معجم لغة الفقهاء، محمد رواس قلعجي، الناشر: دار النفائس للطباعة والنشر والتوزيع
- معجم مقاييس اللغة، ابن فارس، أبو الحسين أحمد بن زكريا، الناشر : دار الفكر،الطبعة
- مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج، الشربيني، شمس الدين، محمد بن محمد، الخطيب، الناشر: دار الكتب العلمية

- مغني المحتاج، الشربيني، محمد الخطيب،الناشر دار الفكر، مكان النشر بيروت
- المغنى، ابن قدامة، عبد الله بن أحمد،الناشر : دار الفكر – بيروت،
- المفردات في غريب القرآن، الراغب الأصفهانى، أبو القاسم الحسين بن محمد، الناشر: دار القلم، الدار الشامية - دمشق بيروت،
- المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، النووي، أبو زكريا محيي الدين يحيى،الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت
- موسوعة الإجماع في الفقه الإسلامي : سعدي أبو جيب ، ط2 ، 1404هـ 1948م ، دار الفكر ، دمشق
- الموسوعة العلمية والعملية للبنوك الإسلامية (الجزء الخامس الشرعي) ، الأصول الشرعية والأعمال المصرفية في الإسلام ، الاتحاد الدولي للبنوك الإسلامية ، ط1 ، 1402 هـ 1982 م .
- الموسوعة الفقهية : وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويتية ، ط2 ، 1410 هـ 1990 م ، ذات السلاسل، الكويت .
- الموطأ، مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني،الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت – لبنان
- نيل الأوطار، الشوكاني، محمد بن علي بن محمد، الناشر : إدارة الطباعة المنيرية
- وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية – الكويت، الموسوعة الفقهية الكويتية